دل بدلے تو زندگی بدلے

پارٹ-1

دل کے دروازے

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دِل کے دروازے

استاذہ نگہت ہاشمی

دِل کے دروازے

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : دِل کے دروازے

مُصنّفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : اپریل 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون 042-7060578-7060579

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1 ' کینال روڈ' فون: 1851 872 - 041

بہاولپور : 7A' عزیز بھٹی روڈ' ماڈل ٹاؤن اے' فون: 2875199 - 062
2885199' فیکس : 2888245 - 062

ملتان : 888/G/1' بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی' بوسن روڈ' گلگشت
فون: 8449 600 - 061

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:
مومن کمیونیکیشنز B-48 کرین مارکیٹ بہاولپور

مطبع :

قیمت : روپے

فہرست

ابتدائیہ

دروازے داخل ہونے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ان سے دروازے کے مالک داخل ہوسکتے ہیں۔جن کے لئے وہ اجازت دیں انہیں بھی راستہ دے دیا جاتا ہے لیکن انہی دروازوں سے کوئی چوراُچکا یا دشمن داخل ہونا چاہے تو پہرے دار، چوکیدار یا مسلح گارڈ حفاظت کرتے ہیں۔جتنی قدرو قیمت گھر اور اس کے افراد کی ہوتی ہے حفاظت کے انتظامات بھی اسی نسبت سے کیے جاتے ہیں۔کبھی ایسا نہیں ہوتا کوئی صاحبِ شعور اپنے دشمن کو، کسی چور اُچکے، لٹیرے کو دروازے سے داخلے کی خوش دلی سے اجازت دے دے۔جتنا کسی میں دم خم ہوتا ہے اتنی ہی وہ مزاحمت کرتا ہے۔یہ اپنے گھر، اس کے ساز وسامان اور اپنی زندگی سے محبت کا تقاضا ہے۔

جیسے مادی دنیا میں دروازوں کا مخصوص کام ہوتا ہے اسی طرح دل کے دروازے بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے لیکن محسوس ہوتے ہیں۔جیسے زندگی کو دشمنوں سے خطرہ لاحق ہوتا ہے ایسے ہی دل کے دشمن کی آمد کا بھی ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا ہے۔دشمن سے حفاظت یہ تو انسان کی فطرت ہے۔چُھپے دشمن کی آمد معاملے کو بہت ہی نازک بنا دیتی ہے۔اس لحاظ سے ہم خطرے میں ہیں، ہمارے دل خطرے میں ہیں۔اس دل کو ایسے مسلح محافظوں کی ضرورت

ہے جن کی وجہ سے چُھپے دشمن سے بچا جا سکے مگر بچتا وہی ہے جو دشمن کے وار سمجھتا ہو، خفیہ چالوں سے آ گاہی رکھتا ہو اور بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ارادہ کرلیں تو کھلے دروازوں کو بند کرنے کی تڑپ دروازے بھی بند کروائے گی۔ آئیں ایک ایک دروازہ دیکھتے جاتے ہیں اور اس کی حفاظت کا انتظام کرتے جاتے ہیں۔ کھلے دروازوں کو بند کرتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے دامن پھیلا دیتے ہیں کہ

يَا مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا“۔

نگہت ہاشمی

شیطان کا طریقۂ واردات

انسان جب سے اس زمین پر آیا ہے دشمنی کا شکار رہا ہے اور سب سے بڑا مسئلہ انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے دشمن کو پہچانتا بھی نہیں ہے اور پہچان نہ ہونے کے سبب دشمن کا ہر وار وہ صرف برداشت نہیں کرتا بلکہ اسے پتہ ہی نہیں چلتا اور وہ وار کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج ہم شیطان کے وار کا شکار ہونے والے انسان کی کیفیت کا جائزہ لیں گے اور پھر یہ دیکھیں گے کہ شیطان کو انسان پر وار کرنے کا موقع کیسے ملتا ہے؟ کیسے وہ انسان کے اندر داخل ہوتا ہے؟ کیسے اس کے دل پر قبضہ کرتا ہے؟ اور اس کے علاوہ یہ کہ شیطان کے حملوں سے بچاؤ کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا کچھ ہمارے لیے ممکن ہے؟

میں ایک واقعے سے اپنی بات کا آغاز کرنا چاہوں گی جس سے معاملے کی شدت کا آپ خود بھی احساس کر سکیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔ بات فقط ایک انسان کی نہیں ہے، بات ہر انسان کی ہے۔ خواہ کوئی علم رکھنے والا ہو، خواہ کوئی اپنے اَخلاق میں، اپنی عبادت میں، اپنے معاملات میں دوسروں سے بہت بہتر انسان ہو یا ایک عام انسان ہو، ہر انسان شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوتا ہے، اس کے وار کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ میں اس وقت آپ کے سامنے ایک ایسے انسان کی بات رکھنا چاہتی ہوں جس کے بارے میں عام طور پر ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اوپر شیطان کا وار نہیں چل سکتا۔ علم رکھنے والے انسان اور علم کی مسند پر بیٹھنے والے، پھر وہ افراد جو دوسروں کے لیے مثال بنتے ہیں کیسے شیطانی وار

کا شکار ہو جاتے ہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ نے بنی اسرائیل سے ایک روایت اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھی کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ راہب جانتے ہیں کسے کہتے ہیں؟ رہبانیت کا رُوٹ (رہ ب) ہے۔ رہبانیت کہتے ہیں مسلکِ خوف زدگان۔ یعنی ایک ایسا شخص جو خوف زدہ ہے، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے اور اسے اپنے آپ پر بھروسہ نہیں، اپنے بارے میں خوف زدہ ہے کہ کہیں میں دنیا کی محبت میں مبتلا نہ ہو جاؤں، کہیں دنیا کی مصروفیات، دنیا کی رغبتیں مجھے رب کے راستے سے روک نہ دیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بشارت سے دیکھئے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرّحمٰن:46)

''جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں''۔

یہ ایک خوف زدہ انسان ہے۔ خوف زدہ ہونے کی وجہ سے وہ دنیا چھوڑتا ہے، خوف زدہ ہونے کی وجہ سے وہ تنہا رہتا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے اسے بہت ڈر لگتا ہے۔ رہبانیت دراصل خوف کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے لیکن چونکہ ہم شیطان کے وار کی بات کرنا چاہتے ہیں اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شیطان کا وار اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے پر اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے پر کیسے چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ساری دنیا چھوڑ کر الگ ہو گیا ہو۔

شیطان نے بنی اسرائیل میں ایک لڑکی کا گلا گھونٹ دیا جس کی وجہ سے لڑکی بیمار ہو گئی۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کوئی بیماری کیسے لاحق ہو گئی؟ نہ گلا دبانے والے کو کسی نے دیکھا، نہ دبتا ہوا دیکھا لیکن لڑکی کا تڑپنا اور اس کی بیماری کو سب دیکھتے تھے۔ پھر شیطان نے اس

لڑکی کے گھر والوں کو سمجھایا کہ آپ اس کو علاج کے لیے اس راہب کے پاس لے جائیں۔ گھر والے اس کے پاس گئے تو اس شخص نے کہا کہ میں اس کا علاج کیسے کرسکتا ہوں؟ میں تو علاج نہیں جانتا مجھے کیا معلوم؟ اس پر گھر والوں نے بہت منت سماجت کی، اس سے Reasoning کی اور بالآخر اسے Convince کرلیا اور راہب نے لڑکی کا علاج شروع کردیا۔

اب دیکھیے گا کہ لڑکی کا گلا گھونٹنا، اس کے گھر والوں کے دل میں راہب سے علاج کروانے کا خیال ڈالنا، یہ شیطان کے پھندے ہیں اور اب یہ تیسرا چکر ہے جس میں راہب کو شیطان نے پھانس دیا کہ آپ علاج کرلو۔ اس نے راہب کے دل میں وسوسہ ڈالا اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں ایسی کشش رکھ دی ہے کہ اگر تنہا ہوں تو شیطان کو عمل دخل کرنے کا بہت موقع مل جاتا ہے۔ شیطان نے راہب کو اُکسایا اور بالآخر اُس نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کرلیا اور لڑکی حاملہ ہوگئی۔ اب تک راہب کو کوئی فکر لاحق نہیں تھی۔ شیطان نے لڑکی کے گھر والوں کو اُکسایا کہ لڑکی کے ساتھ معاملہ درست نہیں ہے اور ادھر راہب کے دل میں یہ ڈالا کہ اس جرم کا جب پتہ چلے گا تو تم بدنام ہو جاؤ گے، لہٰذا اس لڑکی کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالو اور راہب نے اس لڑکی کو مار ڈالا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ اس نے کہا بیمار تھی اس لیے مرگئی۔ گھر والے مطمئن ہو گئے لیکن شیطان رُکا نہیں۔ اُس نے لڑکی کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی، انہیں سمجھایا کہ یہ سارا راہب کا قصور ہے، اُس نے لڑکی کو پہلے خراب کیا پھر مار ڈالا۔ آپ اس شخص کا پیچھا کریں اور لڑکی کے گھر والے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے طے کرلیا کہ اب اس سے انتقام لیا جائے گا اور اس کو اس شہر سے نکال دیا جائے گا۔ اس پر شیطان راہب کے پاس آیا جواب بہت مجبوری کی کیفیت میں تھا، عزت بھی گئی اور علاقہ بھی جارہا تھا اور یہ بھی کہ جس کو اس بنیاد پر دیس نکالا دے دیا جائے، اسے قبولیت کہاں ملتی ہے؟ لہٰذا شیطان نے اس سے کہا کہ آپ مجھے دو سجدے

کرلوتو میں آپ کو اس مجبوری سے نکال دوں گا۔راہب نے شیطان کو سجدے کر دیے۔
جب اس نے سجدے کیے تو شیطان نے کہا کہ میں کیا جانوں کہ تمہارا کیا معاملہ ہے اور مجھے تو
اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

میں اس واقعے سے جو چیز آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں وہ شیطان اور انسان کی
جنگ ہے اور اس جنگ میں دیکھیے کہ مار کون کھا سکتا ہے؟ اللہ والا، متقی، پرہیز گار، اللہ تعالیٰ
سے خوف رکھنے والا بھی۔شیطانی پھندے، شیطانی جال اور شیطانی وار اس قسم کے ہوتے
ہیں کہ انسان کو سمجھ نہیں ہوتی، پتہ نہیں چلتا کہ مجھے کہاں سے گھیر لیا گیا؟ لہٰذا ضرورت اس
امر کی ہے کہ شیطان کی چالوں اور اُس کے آنے کے راستوں کا علم حاصل کیا جائے اور پھر
ان سے بچنے کی تدابیر کی جائیں۔اس واقعے کے حوالے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک
عابد و زاہد، ایک اللہ تعالیٰ کے خوف سے دنیا چھوڑ دینے والا بھی شیطان کے وار کا شکار ہو سکتا
ہے تو ہم عام انسان تو شیطان کے لیے بہت ہی آسان ہدف ہیں۔

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ شیطان پوری Background Preparation
کرتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ اس نے پہلے ایک ماحول تیار کیا تھا جیسے کسان کھیت تیار کرتا ہے،
بیج بوتا ہے، کھاد دیتا ہے، پانی مہیا کرتا ہے، پھر اس کے بعد حفاظت اور نگہداشت کرتا ہے،
پھر بیج اُگتا ہے۔پھر اس پودے کی نگہداشت کے لیے چاہے اسے اسپرے [Spray]
کرنے پڑیں، چاہے اس کے ارد گرد کے فاسد پودوں کو نکالنا پڑے، ہر اعتبار سے وہ کوشش
کرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے grow کرے۔یہ اصلاح کا طریقہ کار ہے لیکن بالکل
اسی طرح شیطان انسان کو گھیرنے کے لیے پورا پلاٹ [Plot] تیار کرتا ہے۔

دل کے دروازے

جتنا زیادہ کوئی شیطانی حملوں سے بچنا چاہتا ہے اس کے لیے اتنے ہی پھندے، اتنے ہی چکر ہیں، اس لحاظ سے انسان بہت بڑے خطرے[Danger] میں ہے۔ لہٰذا یہ جاننے کی بہت ضرورت ہے کہ انسان کس طرح شیطان کے وار کا شکار ہوتا ہے؟ کیسے شیطان اس کے دل پر قبضہ کرتا ہے؟ دل میں شیطان کے داخل ہونے والے دروازے کون سے ہیں؟ تا کہ ہم ان دروازوں کا علم حاصل کرنے کے بعد شیطان کے لیے وہ دروازے بند کر دیں۔ اللہ والوں نے ہمیشہ اسی طرح Efforts سے، اللہ تعالیٰ کی مدد سے، دُعاؤں سے وہ دروازے بند کیے اور شیطانی جالوں سے بچتے رہے۔ آج ہم بھی اسی راستے پر چلنا چاہتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام، صالحین، شہداء اور صدّیقین کا راستہ ہے تو ہمیں ان راستوں کا علم حاصل کرنا ہوگا اور اس کے لیے اعلیٰ درجے کی کوشش کرنا ہوگی، جہاد کرنا ہوگا۔ یہ جہاد بالنّفس ہے، اپنے ہی نفس، اپنے اندر کے ساتھ ایک جنگ کیونکہ یہ نفس جس طرح انسان کو اُکساتا ہے اس کا پیچھا شیطان کرتا ہے اور اپنے نفس کا دفاع ہم خود اکیلے نہیں کر سکتے لیکن کچھ اقدامات کرنے بہت زیادہ ضروری ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے دروازے ہیں جن سے شیطان داخل ہوتا ہے؟ جن دروازوں سے ہم Physically داخل ہوتے ہیں وہ تو ہمیں نظر آتے ہیں اور خطرے کے اوقات میں حفاظت کے لیے ہم کھلے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں، lock کر دیتے

ہیں۔اسی طرح اپنے دل، اپنے اَخلاق، اپنی زندگی اور اپنے کردار کی حفاظت کے لیے ہم نے اُن کھلے ہوئے دل کے دروازوں کو بند کرنا ہے جن سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہے۔ ہمارے لیے مشکل نہیں ہے، اپنی حفاظت کے لیے اُٹھیں گے اور چٹخنی لگادیں گے یا وہاں پر کسی پہرہ دار کو بٹھادیں گے، اب دروازہ نہیں کھلے گا لیکن اس کے لیے Alert رہنے کی ضرورت ہے کہ یہ ساری زندگی کی حفاظت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن شیطان سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں اپنی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

پہلا دروازہ: غضب

جتنے بھی دل کے دروازے ہیں جہاں سے شیطان آتا ہے، یہ دراصل انسان کی بری صفات ہیں۔ پہلا دروازہ غضب کا ہے۔ جس وقت انسان غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو شیطان کو دل پر قبضہ جمانے کا موقع مل جاتا ہے۔ انسان جب اس صفت میں مبتلا ہوتا ہے، اس حالت میں ہوتا ہے تو شیطان کو موقع مل جاتا ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں کبھی Experience کیا کہ جب آپ غصے میں ہوتے ہیں تو Self Control loose ہو جاتا ہے۔ غصے میں آ کر ماں بچوں کی پٹائی کر دیتی ہے، شوہر کے ساتھ لڑائی ہو جاتی ہے، بہت سے لوگ برتن توڑتے ہیں، بہت سے لوگ بہت کچھ بولتے ہیں۔ غصے کی حالت میں اگر کسی انسان کو دیکھیں وہ چلے گا تو پاؤں پٹخے گا، کسی کو دیکھے گا تو غصے والی نظروں سے دیکھے گا، انسانی نظریں انسانی محسوس نہیں ہو رہی ہوتیں، ایسا لگتا ہے کہ حیوان آ گیا۔ اگر اس وقت انسان اپنی شکل آئینے میں دیکھے تو پتہ چلے نتھنے پھولے ہوئے ہیں، آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں اور اس طرح چہرہ بھیانک ہو گیا لیکن انسان اپنا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ ایسی حالت میں انسان کی آنکھوں، اُس کی عقل پر ایک پردہ سا آ جاتا ہے اور اُس کے لیے اپنے معاملات کو Handle کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَغْضَبْ (مسند احمد)

''غصہ نہ کرو''۔

کیونکہ انسان جب غصہ کرتا ہے تو اس کے دل کو آگ لگ جاتی ہے، وہ تمام خصوصیات انسان میں پیدا ہوتی ہیں جو آگ کے بھڑکنے کی وجہ سے کہیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔ جیسے آپ دیکھیں کہ جب لکڑیوں کو آگ لگتی ہے تو شعلے نکلتے ہیں اور دھواں بھی نکلتا ہے۔ اسی طرح گھر کو آگ لگتی ہے تو اس آگ کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ ہر چیز کو وہ لپٹیں گھیرے میں لے لیتی ہیں۔ خطرہ کیا ہوتا ہے؟ کہ صرف ایک جگہ تو وہ آگ محدود نہیں رہے گی، بڑھے گی، پھیلے گی اور ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ بس غصے کا معاملہ بھی ایسا ہے۔ انسان کو جب غصہ آتا ہے، اس کے دل کو جب آگ لگتی ہے تو یہ آگ Physically نظر نہیں آتی لیکن زبان سے بھی آگ کے شعلے نکلتے ہیں، آنکھوں سے بھی آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں اور انسان کے ایک ایک رویے سے اس آگ کا اظہار ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ابلیس آگ سے بنا ہوا ہے اور آگ سے اسے دل چسپی بھی بہت ہے۔ جس وقت انسان کو غصہ آنے لگتا ہے، شیطان فوراً ہی کود کے اس کے دل پہ آ کے قبضہ کر لیتا ہے، اگلے معاملات خود شیطان ہینڈل کر لیتا ہے اس لیے غصے پر قابو پانا بہت زیادہ ضروری ہے۔

یہ بات عام طور پر سمجھ نہیں آتی کہ انسان آخر اپنے آپ کو غصے سے کیوں بچائے؟ انسان اپنی مائنڈ سیٹنگ کرتا ہے کہ غصہ تو سبھی کو آتا ہے اور آخر کبھی تو غصہ آ ہی جاتا ہے اور یہ انسانی کیفیت ہے اور ظاہر ہے کہ کچھ غلط ہوگا تو غصہ تو آئے گا ہی۔ اس کے لیے تو انسان اپنی Mind setting کر لیتا ہے لیکن غصہ کیوں نہ آئے؟ اس کے لیے انسان نہیں سوچتا تو جب تک انسان اس کی ہلاکت انگیزیوں کا علم حاصل نہیں کرتا، اس پر غور و فکر نہیں کرتا، اس وقت تک اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

غصہ ہمیں جلاتا ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ غصے کی حالت میں ہم اپنے

آپ میں نہیں رہتے اور اپنے اوپر ہمارا کنٹرول نہیں رہتا۔ ہمارے اوپر ہمارا دشمن مسلط ہو جاتا ہے۔ یہ پہلا دروازہ ہے جس سے شیطان ہمارے دل کے اندر آ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غصے کو دُور کرنے کے لیے کتنے گُر بتائے؟ ایک ایک چیز ایسی ہے اتنی پیاری حکمت بھری کہ جگہ بدل لیں، پانی پی لیں۔ غصے کی حالت میں پانی کیوں؟ کیونکہ غصہ آگ کی طرح ہے۔ غصے کی آگ تو Physical آگ سے بہت بڑی ہے۔ جیسے آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے ایسے ہی غصے کو بھی پانی بجھاتا ہے۔ غصے کی حالت میں وضو کر لیں اور کیفیت بدل لیں، کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہیں تو لیٹ جائیں اور آپ یہ دیکھئے کہ یہ ترکیب اختیار کرنے سے بہر حال فرق پڑتا ہے لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ غصے کی حالت میں ان میں سے کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا، یاد ہی نہیں رہتا اور اگر کوئی اور کہے تب اور غصہ آتا ہے کہ ہمیں کہا ہی کیوں گیا؟ جانتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ عین غصے کی حالت میں انسان غصہ دُور نہیں کرنا چاہتا۔ انسان چاہتا ہے کہ یہ کیفیت ذرا جاری رہے کیونکہ شیطان حاوی آتا ہے اور انسان کو اس کی ہلاکت کا چونکہ علم نہیں ہے کہ مجھے اس سے کتنا زیادہ نقصان ہے اس وجہ سے اس سے بچنا نہیں چاہتا۔

آپ دیکھ لیں کہ غصہ ایک ایسا Subject ہے، ایک ایسا فیلڈ ہے جس کے بارے میں آپ نے اپنی زندگی میں ضرور علم حاصل کرنا ہے انشاءاللہ تعالیٰ اور حقیقت یہی ہے کہ یہ موضوعات ہیں جن کا علم حاصل کر کے ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس میدان میں غفلت تو ایسی چیز ہے کہ جب آپ اپنی طرف سے ذرا سے غافل ہوں گے تو ظاہر ہے کہ شیطان کو موقع ملے گا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ غافل نہیں رہنا تو اپنے آپ کو غافل ہونے سے کیسے بچائیں؟ انسان کسی بھی وقت غافل ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ابنِ آدم کا دل جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو شیطان اس پر دھرنا دے کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان دُبک کر بھاگ جاتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ غفلت اللہ تعالیٰ کو بھول جانے کی وجہ سے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہے۔ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہے اور کرنا بہت مشکل۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا بھی ایک علم ہے جو سیکھنے سے آئے گا، تجربے سے آئے گا، یونہی کہنے سے نہیں آئے گا، یا پڑھنے یا ایک فقرے میں سننے سے نہیں آئے گا۔ یہ وہ علوم ہیں جن کی وجہ سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے ان کا حاصل کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

دوسرادروازہ:شہوت

یہ کیسا دل ہے! چھوٹا سا دل اور اتنے دروازے! اتنے راستے! کس کس راستے کو انسان بند کرے؟ یہ دوسرا دروازہ ہے شہوت کا، خواہش کا۔ شیطان انسان کے دل پر اس وقت قبضہ کرلیتا ہے جب انسان کسی چیز کی خواہش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ کون سا وقت ہے جب انسان کسی چیز کی خواہش میں مبتلا نہ ہو؟ عموماً زندگی میں دیکھیں کہ خواہشات تو انسان کے دل کو گھیرے رکھتی ہیں، انسان ان خواہشات سے نکل نہیں سکتا۔

کچھ خواہشات ضرورت کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں اور کچھ خواہشات ایسی ہیں کہ جن کا ضرورت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انسان اس کو غلط فہمی میں اپنی ضرورت سمجھتا ہے اور پھر ایسے موقع پر شیطان کو راستہ دے دیتا ہے اور شیطان جب دل کے اندر ایک دفعہ داخل ہو جائے تو وہ اس دل کے ساتھ کھیلتا ہے۔ مثلاً غضب کی حالت میں شیطان دل کے ساتھ یوں کھیلتا ہے جیسے بچہ گیند کے ساتھ کھیلتا ہے۔ گیند کے ساتھ بچہ کیسے کھیلتا ہے؟ کبھی پیچھے بھاگ، کبھی اوپر پھینک، کبھی اس کو Push کر دیا، کبھی کچھ اور سلسلہ کرلیا، یعنی ایک جگہ ٹھہرنے نہیں دیتا، ایسے ہی شیطان دل کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

خواہش کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ایک بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کتنے محتاط تھے۔ آپ ﷺ ابوجہم سے تحفے میں ملی ہوئی ایک چادر اوڑھے نماز ادا کر رہے تھے کہ چادر کے ڈیزائین کی وجہ سے توجہ ہٹ گئی۔ آپ ﷺ نے

جب توجہ بٹتی اور ہٹتی ہوئی محسوس کی تو آپ ﷺ نے وہ چادر تہہ کی اور اپنے ایک صحابی کو دی کہ جاؤ یہ چادر ابوجہم کو دے دو اور اسے کہہ دو کہ یہ چادر لے لے اور مجھے کوئی سادہ چادر دے دے۔ رنگ Attract کرتے ہیں انسان کو، انسان رنگوں کو چھوڑ نہیں سکتا، نہ ہی اسے چھوڑنا چاہیے لیکن کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں، کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں پر انسان کو زیادہ Concentrate کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر صلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ایسی حالت میں توجہ بٹ جائے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور نماز کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ شیطان زیادہ حملہ آور ہوتا ہے، اس کی کوشش زیادہ ہوتی ہے کہ انسان کو دوسری چیزوں میں involve کر لے۔

مجھ سے میری ایک اسٹوڈنٹ نے کہا کہ میری جائے نماز پر دیکھیں، کیسی تصویریں بنی ہوئی ہیں! دیکھیں یہ اس کا منہ ہے، یہ کان ہیں اور یہ سارا سلسلہ ہے۔ میں نے اس کی بات سنی تو اُس سے کہا کہ نماز میں آپ کیا کرتی ہیں؟ کہتی ہیں میری توجہ بار بار اس طرف جاتی ہے۔ میں نے کہا اس جائے نماز پر نہ کھڑی ہوں، یہ تصویریں نہیں ہیں لیکن آپ کا ذہن چونکہ تصویریں بنانے میں مصروف رہا اس لیے آپ کو وہ تصویریں بن بن کر دِکھیں۔ جائے نماز جتنا زیادہ منقش ہوگا، جتنا زیادہ اس کے اوپر مختلف قسم کی چیزیں بنی ہوں گی حتیٰ کہ بیت اللہ یا مسجدِ نبوی ﷺ یا روضۂ رسول ﷺ تو توجہ بہر حال ہٹ جاتی ہے۔

جن لوگوں نے جائے نماز پر بیت اللہ بنانا شروع کیا ہوگا، ان کی نیت یہی ہوگی کہ نظر بیت اللہ پر پڑے تو انسان کا خیال اور اُس کی سوچ کا رخ بھی ادھر رہے۔ آپ مجھے اپنی زندگی سے بتائیے گا، آپ جس جائے نماز پر نماز پڑھتے ہیں اگر اس پر بیت اللہ کی تصویر بنی ہو تو کیا اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا خیال آتا ہے؟ صرف ایک نظر اس پر پڑتی ہے بس پھر خیال

ہٹ جاتا ہے اور اس کے بعد اگلا سلسلہ پھر اپنے کنٹرول میں ہی نہیں رہتا۔ یہ چھوٹی سی مثال دے رہی ہوں اس وجہ سے کہ نماز میں چونکہ انسان رب کے پاس گیا ہوتا ہے تو سجدے میں عین نماز کی حالت میں دیکھئے سوچ کیسے نظر کی وجہ سے ہٹ جاتی ہے؟ بس ایک دفعہ نظر نے کچھ دیکھ لیا، نظر ہٹ گئی تو خیال بھی ہٹ گیا۔ اب اگلا معاملہ شیطان کے لیے بہت آسان ہے۔ کبھی آپ سفید شیٹ پر نماز پڑھیں، کبھی coloured جائے نماز پہ، آپ کو دونوں میں فرق محسوس ہوگا۔

ہم اسے کچھ مثالوں سے دیکھیں گے۔ ایک بار میں نماز پڑھ رہی تھی۔ میرے دوپٹے کی کڑھائی کے دھاگے میں میری انگلیاں اُلجھیں تو میرے لیے نماز پڑھنا انتہائی مشکل ہو گیا۔ میں نے سلام پھیرتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہ کپڑے تبدیل کیے اور سکون کے ساتھ نماز ادا کی۔ میں نے محسوس کیا کہ اتنی لڑائی لڑنا کتنا مشکل ہے! اِدھر سے سوچ ہٹ رہی ہے، پھر سوچ لے کر آؤ یعنی انسان تو ایک کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو اس کا دھیان ہٹ گیا ناں، اب اس کی طرف توجہ نہیں رہی۔

اب آپ دیکھیں عین اس موقع پر جس وقت آپ آپس میں بیٹھ کے رنگوں کی، ڈیزائنز کی، فیشن کی اور کون سی چیزیں in ہیں اور کون سی out ہیں؟ اس پر بات کر رہے ہوتے ہیں، عین اس موقع پر کیسے ممکن ہے کہ انسان کی توجہ ربّ کی طرف جائے؟ جتنا انسان اس قسم کی گفتگو کرتا ہے اتنا ہی شیطان کو عمل دخل کا موقع ملتا ہے۔ ایک چیز ذہن میں رکھئے گا کہ ان چیزوں کے استعمال سے ربّ نے روکا نہیں ہے۔ آپ خوبصورت گھر بنایئے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا دل بھی لے آیئے کہ پھر مال کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اختیار کیجئے لیکن ہے بہت مشکل راستہ۔ جتنا زیادہ انسان دنیا کی محبت میں Involve ہوتا ہے، اسے Discuss کرتا ہے، یہ Discussion انسان کو لے ڈوبتی ہے، اس کے خیال میں

رہنا انسان کو لے ڈوبتا ہے۔ یہاں سے شیطان کو دَر آنے کا بہت موقع ملتا ہے۔

اسی طرح آپ دیکھئے کہ جیسے عام زندگی میں ایک انسان کوئی بہت خوبصورت چیز دیکھتا ہے تو وہ اُس کے ذہن میں کافی دیر تک رہتی ہے، یعنی تھوڑی دیر گذرتی ہے تو انسان پھر وہی بات کرتا ہے، تھوڑی دیر گذرتی ہے پھر وہی بات سامنے آجاتی ہے۔ کوئی بات انسان کو بہت زیادہ Pinch کر رہی ہو یا بہت زیادہ Attract کر رہی ہو تو انسان اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ خواہش کا راستہ ایسا ہے جہاں سے شیطان بہت جلدی حملہ آور ہوتا ہے۔ انسان اگر اچھے کپڑوں کی خواہش رکھے، پہننے سے کسی نے نہیں روکا لیکن ایک جو شیخ چلی کی طرح خیالات کے تانے بانے بننا ہے یہاں سے سلسلہ خراب ہوتا ہے کہ انسان بہت دیر تک اسی طرح کے خیالات اور اسی طرح کے تانے بانے میں الجھتا رہتا ہے۔ پھر اُس کے لیے اپنے آپ کو بچانا بے حد مشکل ہو جاتا ہے اور وہ مستقل خوش فہمی کا شکار رہتا ہے کہ نہیں ہمیں تو اس طرح کی بات چیت، اس طرح کے ماحول میں رہنا متاثر نہیں کرتا۔ نادان ہے وہ انسان جو اپنے آپ کو اس طرح کے دھوکے میں رکھتا ہے کہ ''یہ چیزیں مجھے متاثر نہیں کرتیں''، متاثر تو کرتی ہیں اور ہر انسان کو متاثر کرتی ہیں۔

انسان کو یہ چیز دیکھنی چاہیے کہ جس وقت وہ اس ماحول میں رہے اور جو رزق اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا، وہ استعمال کر رہا ہو تو اپنی سوچ کو Handle کر لے۔ یہ چیزیں سوچ کو Handle کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ انسان یہی سوچتا رہتا ہے کہ مجھے کون سے کھانے پسند ہیں؟ کون سے لوگ پسند ہیں؟ اور کون سے کپڑے پسند ہیں؟ کس کی کون سی بات مجھے اچھی لگتی ہے؟ یہ سب کیا ہیں؟ تذکرے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تذکرہ تو ایک ہی ہے اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ کون سا تذکرہ؟ ربّ کا کلام۔ کلام کا تذکرہ کرنا ہے کیونکہ انسان بہت معزز ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ساری مخلوقات سے معزز بنایا تو اسے چاہئے کہ وہ معزز کام کرے، نبیوں

والا۔باقی زندگی کی ضروریات اس نے پوری کرنی ہیں،ان کو پورا کرلے مگران میں گم نہ ہوجائے۔انسان جتناInvolve ہوگا،اتنااس کے لیے مشکلات کھڑی ہوں گی۔خواہشات کسی بھی نوعیت کی ہوں،ان کا جنم لینادراصل شیطان کوEntry Ticket دینا ہے۔Entry دینے کے بعددروازہ کھل جاتا ہےاورشیطان کوداخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

میں نے ایک حدیث آپ کے سامنے بیان کی تھی کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہےتو شیطان دُبک کر بھاگ جاتا ہےتو کیاواقعی ایک انسان کے ذکر کرنے سے شیطان چلا جاتا ہے؟میرا بیٹا بہت غصے میں تھا،غصے سے اُس کے کان لال ہورہے تھے۔میں نے اس سے کہا کہ غصہ نہ کرو،اعوذباللہ پڑھوتو کہنے لگا کہ اعوذباللہ پڑھتا ہوں،غصہ پھربھی نہیں اُترتا۔ابھی چھوٹا ہے،غصہ کرنانہیں چاہتا پھربھی غصہ آتا ہی جارہاہے،آتا ہی جارہا ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ اعوذباللہ پڑھنے سے،اللہ تعالیٰ کو یادکرنے سے،اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے سے انسان اس کیفیت سے کیوں نہیں نکلتا؟یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے آندھی آتی ہےتو اُس کے تھم جانے کے بعداُس کے باقیات السیئات کودُورکرنے میں وقت لگتا ہے،آندھی کی وجہ سے جوDisturbance ہوئی،ہرطرف جومٹی پھیل گئی،اس کی صفائی ستھرائی کرنی ہے وقت تو لگے گا۔بس یوں سمجھ لیں کہ انسان کے اندربھی خواہشات کی آندھیاں چلتی ہیں اورصفائی نہیں ہوتی۔اگرانسان اپنے اندرکی صفائی ساتھ ساتھ کرتارہےاورآئندہ کے لیے خواہشات پربند باندھناشروع کردے،اپناعلاج کرناشروع کردےتوتوقع کی جاسکتی ہے کہ شیطان کی آمد کاراستہ بند ہوسکے گا۔

تیسرا دروازہ: حرص

شیطان کی آمد کا تیسرا راستہ، تیسرا دروازہ حرص اور لالچ کا ہے۔ حرص کسے کہتے ہیں؟ کیا حرص منفی بھی ہوتی ہے یا مثبت بھی ہو سکتی ہے؟ مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی۔ ہم جس حرص کی بات کر رہے ہیں وہ منفی ہے۔ حرص سے کیا مراد ہے؟ زیادہ پانے کی خواہش اور طمع، لالچ۔ یہ بات زیادہ Comprehensive ہے ھل من مزید جتنا ہے اور مل جائے۔ مثال کے طور پر کسی کے پاس ایک گھر ہے تو اس کے دل میں یہ تمنا جاگ اٹھتی ہے کہ دوسرا بھی ہو تو یہ حرص ہے۔ کسی کے پاس اگر ایک لاکھ روپیہ ہے تو دوسرے لاکھ کی اسے فکر لاحق ہو جائے تو یہ حرص ہے۔ نو اور ننانوے کا چکر حرص ہے۔

ایک انسان کے اندر جب یہ صفت پیدا ہوتی ہے یعنی کسی چیز کا لالچ تو صرف لالچ نہیں آتا، شیطان بھی ساتھ چلا آتا ہے۔ لالچ کے راستے شیطان اندر آ جاتا ہے۔ حرص کس جانور کے اندر زیادہ ہوتی ہے؟ کتے کے اندر حرص زیادہ ہوتی ہے۔ کبھی کتے کو دیکھا آپ نے حرص کی تصویر ہے۔ جب اسے کوئی مرا ہوا جانور ملتا ہے تو بھونکنا شروع کر دیتا ہے، اس کو کھانا شروع کرتا ہے، مکمل کھا نہیں سکتا لہٰذا وہ باقی حصہ مٹی میں دبانے کے لیے لے جاتا ہے اور اگر اسے منہ میں دبائے ہوئے پانی کے پاس سے گزرنا پڑے تو اپنے اوپر بھی بھونکنے لگتا ہے۔ اُسے لگتا ہے جیسے کوئی دوسرا کتا آ گیا ہے جو مجھ پہ بھونکے گا۔ یہ حرص کی تصویر ہے۔

کیا انسان کے اندر بھی ایسی حرص ہوتی ہے؟ کیا واقعی اُس کے اندر یہ حرص ہوتی ہے

کہ وہ یہ چاہے کہ مجھے جو میسر ہے وہ مجھے میسر رہے اور اس سے کسی اور کو کوئی حصہ نہ ملے؟ اور کیا اُس کے اندر یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کے مطالبہ کیے بغیر یا کسی دوسرے کی طرف نظر اُٹھائے بغیر یہ محسوس کرنے لگے کہ شاید یہ ہمارے مال کا مطالبہ کرے گا؟ یہ حرص کی صورت ہے۔ حرص جب کسی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے تو اس کی سوچ بدل جاتی ہے، Activities بدل جاتی ہیں اور پانے کی صرف تمنا نہیں ہوتی، اس کے لیے کوشش Effort بھی ہوتی ہے، Struggle، وقت بھی لگتا ہے، صلاحیت بھی لگتی ہے تو یہ جو مزید پانے کی تمنا ہے اسی کو حرص علی الدنیا کہتے ہیں۔ پھر دل سخت ہو جاتا ہے اور انسان مزید پانے کے لیے ہر برائی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا ملاوٹ کیوں ہوتی ہے؟ اس کے پیچھے کیا ہے؟ حرص، زیادہ پانے کی تمنا۔ کبھی آپ نے سوچا ذخیرہ اندوزی کیوں ہوتی ہے؟ زیادہ، اور زیادہ پانے کی تمنا۔ بھول جاتا ہے انسان کہ ذخیرہ اندوزی سے قیمتیں بڑھ جائیں گی تو ساری انسانیت تکلیف میں آئے گی۔ وہ صرف یہ یاد رکھتا ہے کہ قیمت بڑھے گی تو میرا فائدہ ہو گا اور یہی بات اس کی سوچ میں رہتی ہے۔ حریص انسان Self centered ہوتا ہے، خود غرض اور ایسی غرض اُسے لاحق ہوتی ہے کہ اسے کسی پھر کسی سے غرض ہی نہیں ہوتی، اسے کسی کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، وہ سنگدل اور بے رحم ہو جاتا ہے۔ واضح ہوا کہ حرص کے راستے سے شیطان آتا ہے۔

پھر اگر دیکھیں تو یہ حرص کبھی کسی موڑ پر ختم نہیں ہوتی اور پانے کی تمنا ایسی ہوتی ہے جو دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کہیں پہ کوئی حد نہیں ہے جہاں یہ حرص اُٹھ جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، سنن ابی داؤد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''کسی چیز سے تیری محبت سے تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے''۔

مال سے محبت کی وجہ سے یا جو بھی چیز پانے کی انسان تمنا کرتا ہے اس سے اس کے

اندر جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ ہے اندھاپن۔ پردہ آ گیا ناں آنکھوں کے سامنے، عقل کے سامنے۔ انسان پھر کچھ اور نہیں دیکھتا، صرف اپنا مفاد ہی دیکھتا ہے اور اسی طرح انسان بہرہ بن جاتا ہے، پھر اس پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ آپ دیکھئے بات غضب کی ہو، شہوت کی ہو یا حرص کی، نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی کیونکہ اندر شیطان موجود ہے، اس لیے اس حرص کا علاج بہت ضروری ہے اور حرص بھی ایسا موضوع ہے جس کا علم باقاعدہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

کبھی مجھے لگتا ہے کہ قرآنِ حکیم کو Study کرنے سے پہلے ہم اگر ان مذموم خصوصیات کو، ان صفات کو اپنے اندر سے نہیں نکالیں گے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے جگہ ہی نہیں بنے گی۔ گندگی دور کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر پاک چیزوں کے لیے جگہ بنتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں کہ ایک طرف اگر مذموم صفات بھی انسان کے اندر موجود ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے کلام سے تعلق بھی رکھے تو کھچڑی سی پک جاتی ہے اور کوئی فائدہ انسان کو نہیں ہوتا اور اس کے اثرات بھی انسان پر مرتب نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی علامت ہیں: دل کی سختی، جمود العین (آنکھ کا نہ بہنا، یعنی انسان کا دل سخت ہے تو آنکھ آنسو نہیں بہاتی)، طول الامل (لمبی لمبی امیدیں باندھنا) اور حرص علی الدنیا''۔ (بزار)

کام حرص سے شروع ہوتا ہے۔ حرص ہے تو لمبی لمبی امیدیں بھی ہیں۔ حرص کی وجہ سے انسان بہت آگے تک جا کے پلان کرتا ہے اور ایسے پلان کرتا ہے گویا اس نے کبھی مرنا ہی نہیں ہے۔ انسان کو اپنے لیے اتنی ہی چیزوں کو ذخیرہ کرنا چاہیے جتنا اسے فوری طور پر ضرورت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ کل کی فکر نہ کرو اور سچی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ روش اپنائی ہے کہ آنے والے کل کی فکر نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان

کی دولت بھی دی اوران کی ضروریات بھی پوری فرمادیں۔ہم ایک غلط طریقہ کا راختیار کیے ہوئے ہیں کہ ہم یہ کرلیں گے تو فائدے میں رہیں گے، یہ کریں گے تو فائدے میں رہیں گے، یہ شیطان کے جال ہیں۔

کبھی آپ دیکھیں جیسے سیل لگتی ہے تو انسان سستی چیزیں لے کرر کھ دیتا ہے، پھران چیزوں کوسنبھالنا، پھراگروہ خراب ہوجائیں تو اس پراظہارِافسوس کرنا،اس کے صدمے میں مبتلا رہنااوراگروہ آئندہ پسند نہ آئیں پھربھی ظاہر ہے کہ انسان تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ سے Detrack کرنے والی ہے۔یوں انسان دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ محبت جب بڑھتی ہے تو بیماری بن جاتی ہے اوراللہ تعالیٰ کے راستے پہ آئے ہیں تو وہ ہمیں روحانی اورجسمانی صحت عطافرمائے گا انشاء اللہ۔اس بات سے نہ گھبرائیں کہ ہم کیا کرتے ہیں؟اس بات کو دیکھیں کہ اگر کچھ غلط ہے تو بس غلطی دورکر لیں۔جیسے فرض کریں کسی خاتون کی لپ اسٹک تھوڑی سی باہر پھیل جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس غم کا اظہار ہرایک سے نہیں کرتی،ٹشو پیپراٹھائے گی اوراپنی لپ اسٹک ٹھیک کرلے گی۔ اسی طرح غلطی ہے تو اس کو ٹھیک کرلیں،اس کا صدمہ نہیں کرنا۔خودبھی درست ہونا ہے اور ساری سوسائٹی کا مزاج بھی بدلنا ہے اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جب خودکوسمجھ آئے گی لیکن جب تک اس کا یقین دل کونہیں آجاتا اس وقت تک انسان اسے چھوڑنہیں سکتا۔

یہ تیسراحرص کا دروازہ ہے جہاں سے شیطان داخل ہوجاتا ہے اورانسان کومصروف کردیتا ہے اوراُس کے اندرجانتے ہیں حرص کی وجہ سے کمی کس چیز کی آتی ہے؟نورِبصیرت ختم ہوتا ہے،انسان لالچ میں مبتلا ہوتا ہے اوراس کی عقل پرپردہ پڑجاتا ہے اورانسان اپنی آخرت سے غافل ہوجاتا ہے۔حرص کا دروازہ شیطان کے لیے بہت ہی زیادہ مفید ہے اور اس کے کھول دینے کی وجہ سے انسان کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

چوتھا دروازہ: پیٹ بھر کر کھانا

انسان پیٹ بھر کر کھالے تو کیسی کیفیت ہو جاتی ہے؟ آپ سب تجربہ کرتے ہوں گے۔ مثال کے طور پر دوپہر کا کھانا آپ پیٹ بھر کر کھالیں، پھر کیا ہوتا ہے؟ نیند آتی ہے یعنی انسان سست پڑ جاتا ہے اور جب نیند آ رہی ہو، انسان سست پڑا ہوا ہو، پھر کیا ہوتا ہے؟ پھر کیا وہ Actively کام کر سکتا ہے؟ علم حاصل کر سکتا ہے؟ اچھی عبادت کر سکتا ہے؟ یا انسان اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر میں مصروف ہو سکتا ہے؟ کسی اچھی Activity کی توقع ختم ہو جاتی ہے جب تک کہ پیٹ تھوڑا سا نارمل نہیں ہو جاتا، پیٹ بھر کر کھانے کی وجہ سے شیطان کو بہت موقع ملتا ہے اور آپ دیکھیں کہ انسان کے اپنے اندر سے آوازیں اٹھتی ہیں: 'اب ہم تھک گئے ہیں'، 'اب ہمیں آرام کی ضرورت ہے'، 'ہمارے لیے کام کرنا مشکل ہے'، 'اب ہم سے اتنی مشقت برداشت نہیں ہو سکتی'، 'چلو تھوڑی دیر آرام کر لیں' اور 'تھوڑی دیر سو جائیں' وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ دروازہ کھلا ہوا نہ ہو تو اس کی وجہ سے ان سارے مسائل میں انسان مبتلا نہیں ہوتا۔ کھانا تو انسان کی ضرورت ہے، اس نے کھانا ہی ہے۔ یہاں جس کھانے کی ہم بات کر رہے ہیں وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے جس کی وجہ سے انسان کے اعضاء سست پڑ جائیں، ڈھیلے پڑ جائیں، جس کی وجہ سے انسان کے اعضاء بھی متاثر ہوں، جس کی وجہ سے انسان کا ذکر بھی متاثر ہو، Concentration loose ہو، جس کی وجہ سے علم کا حصول بھی ممکن نہ رہے اور

انسان Actively کوئی کام نہ کر پائے۔ اس وجہ سے شیطان کے داخل ہونے کے اس بڑے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت یحییٰ ابنِ زکریا کے بارے میں روایت ملتی ہے کہ شیطان ان کے سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں کچھ پھندے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا: ''یہ پھندے کیسے ہیں''؟ اس نے جواب دیا کہ ''یہ خواہشات کے پھندے ہیں۔ میں ان پھندوں میں آدم کے بچوں کو پھانس لیتا ہوں، میں ان میں انہیں گرفتار کر لیتا ہوں''۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا کہ ''کیا میرے لیے بھی ان میں کوئی پھندا ہے''؟ یعنی تمہارا کوئی فریب میرے لیے بھی ہے؟ اس نے کہا: ''ہاں۔ جب آپ پیٹ بھر کر کھا لیتے ہیں تو آپ کے لیے عبادت کرنا میں مشکل بنا دیتا ہوں'' یعنی عبادت کرنا، ذکر کرنا وغیرہ۔ اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ خدا کی قسم! آج کے بعد میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے بھی قسم کھائی کہ ''کبھی آدم کے بچے کو میں خیر کی کوئی بات نہیں بتاؤں گا''۔ (احیاء العلوم)

شیطان کے پھندوں میں سے ایک پھندا ہے پیٹ بھر کر کھانا۔ انسان اس وقت اپنے آپ کو کتنا justify کرتا ہے کہ ابھی اتنا وقت ہے اور پھر اتنے وقت تک کیسے بھوک برداشت کریں اور کس طرح سے اپنے آپ کو کنٹرول کریں گے؟ زیادہ اچھا ہے، قوت ملے گی تو زیادہ کام ہوگا جبکہ الٹا نقصان ہو جاتا ہے یعنی قوت ملنے کی بجائے انسان اور زیادہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ بڑی بات جو پیٹ بھر کر کھانے کے حوالے سے ہے وہ یہ کہ انسان اپنے مقصدِ زندگی سے غافل ہو جاتا ہے۔ غفلت اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ زیادہ کھانے کی کچھ خرابیاں ہیں، مختصراً چھ خرابیاں ہیں جو زیادہ کھانے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہیں:

1۔ عین پیٹ بھر کر کھاتے ہوئے اور کھانے کے بعد دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رہتا۔

2۔انسان کومخلوق پر رحم نہیں آتا،اپنی ضرورت وہ پوری کر چکا اب اسے دوسروں کی ضرورت کا وہ احساس نہیں رہتا۔بھوکا انسان دوسرے کی اذیت کومحسوس کرتا ہے جیسے روزہ دار روزے کی حالت میں محسوس کرتا ہے لیکن جو انسان پیٹ بھر کر کھا چکا ہو اس کے لیے بے حد مشکل ہے کہ وہ دوسرے کی تکلیف کومحسوس کرے۔

3۔انسان کے لیے عبادت کرنا مشکل ہو جاتا ہے،عبادت میں Concentration loose ہو جاتی ہے۔

4۔چوتھی بات بہت خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی حکمت اور نصیحت کی بات انسان سنتا ہے تو وہ اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔اس کے دل میں سوز و گداز پیدا نہیں ہوتا اور انسان Properly سنتا نہیں ہے۔اس سے سنا ہی نہیں جاتا، سنتے ہوئے دل سخت ہو جاتا ہے۔نہ وہ صحیح سنتا ہے، نہ وہ قبول کرتا ہے۔آپ دیکھیں نصیحت کی،حکمت کی بات کو اگر ایک انسان صحیح طرح سنے نہیں تو قبول نہیں کر سکتا۔

5۔پانچویں خرابی یہ ہے کہ جس وقت انسان خود اچھی بات چیت کرتا ہے،حکمت کی بات چیت کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔کیوں؟ الفاظ کھوکھلے رہ جاتے ہیں۔دوسروں کے لیے دل میں وہ گداز ہی نہیں ہوتا ہے جس کے باعث دوسروں پر وہ بات اثر انداز ہی نہیں ہوتی۔

6۔اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

پانچواں دروازہ: حسد

پانچواں دروازہ حسد کا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے''۔

(ابوداؤد:4903)

حسد کیا ہے؟ کسی کے پاس اگر کوئی نعمت ہے تو یہ خواہش رکھنا کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے مجھے مل جائے اور اگر یہ خواہش دل کے اندر ہو کہ جو اس کے پاس ہے، اس کے پاس بھی رہے لیکن مجھے بھی اللہ تعالیٰ نصیب کر دیں تو یہ مثبت ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ حسد انسان کے اندر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ حسد کو پیدا کرنے والی چیز کینہ ہے۔ کینہ کسے کہتے ہیں؟ کسی کے بارے میں اچھا خیال نہ رکھنا۔ یہ ابتداء ہے کینے کی لیکن پھر اس خیال کو پروان چڑھانا، بار بار سوچنا، ڈسکس کرنا پھر آہستہ آہستہ برے خیال کا دل میں گھر کر جانا، پھر اس شخص سے نفرت کرنے لگنا، یہ کینے کے پیدا ہونے اور پروان چڑھنے کا عمل ہے۔

کینہ انسان کے قلب میں کیسے پیدا ہوتا ہے؟ غضب کی وجہ سے، غصے کی وجہ سے۔ کسی پہ غصہ ہے تو اس کی وجہ سے دل میں برا خیال آ جاتا ہے۔ آپ کے ساتھ کبھی ایسا ہوا کہ آپ کو غصہ آ رہا ہو تو ایسے نہیں ہوتا جیسے کھٹ کھٹ کھٹ تیزی کے ساتھ کئی خیالات ذہن میں آتے ہیں۔ آپ نے کیا دعوت دی ہوتی ہے خیالات کو؟ آپ نے کبھی سوچا ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا لیکن وہ خیال اتنی تیزی کے ساتھ کہاں سے آتے ہیں؟ اتنا hyperactive ہو جاتا ہے انسان کا ذہن، انسان نہ بھی چاہے تب بھی ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک

خیالات کی لائن لگ جاتی ہے، فلم سی چل نکلتی ہے۔

غصے کی حالت میں ایک انسان کسی کے بارے میں negetive thought رکھتا ہے لیکن بات صرف اتنی نہیں کہ وہ صرف پڑا ہوا ہے، وہ خیال Multiply ہوتا رہتا ہے اور اتنی Multiplication ہوتی ہے کہ انسان کا دل کینہ زدہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی چیز وائرس زدہ ہو جاتی ہے ایسے ہی انسان کا دل پوری طرح جکڑا جاتا ہے اور پھر ایک انسان دوسرے کے بارے میں کچھ اچھا سوچ ہی نہیں سکتا۔ مثلاً کیسے؟ جیسے کسی کے بارے میں اگر دل میں برا خیال راسخ ہو گیا، اب اسے اس کی ہر چیز ہی بری لگتی ہے، اس کا خوش ہونا برا لگتا ہے، اس کو کوئی نعمت ملے تو برا لگتا ہے، دل چاہتا ہے کہ اس کو نقصان پہنچایا جائے اور اس کے پاس جو نعمت ہے وہ کسی طرح ختم ہو جائے۔ اس کے لیے بددُعائیں ہوتی ہیں، برے اعمال ہوتے ہیں، پھر حسد دَر آتا ہے۔ کینے کے بعد حسد ہونے لگتا ہے اور حسد اگر کسی کے دل میں جگہ بنا جائے تو سمجھیں ساری برائیاں دل میں جگہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ ایسے نہیں لگتا جیسے شیطان کے جو لشکر ہیں بری صفات، برے اعمال، وہ سارے انتظار میں ہیں۔ ایک برا خیال وہ اپنے اندر آنے دیتا ہے تو اگلا کام پھر شیطان کرتا رہتا ہے۔ اندر ہی اندر، اندر ہی اندر یہ سلسلہ پروان چڑھتا ہے اور پھر انسان پورے طریقے سے برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

حسد ایسا راستہ ہے جس کے توسط سے شیطان دل کے اندر چلا آتا ہے۔ اسے دل کے اندر کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسد کا علاج کیا ہے؟ حسد کیسے درست ہوگا؟ آپ جانتے ہیں کہ علاج ہمیشہ جڑ سے ہوتا ہے تو جڑ اس کی پہلے تو کینے کے ساتھ جا ملتی ہے، پھر کینے سے غضب میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بنیادی طور پر آئندہ کے لیے غصے کو کنٹرول کرنا ہے لیکن اب جس کے بارے میں حسد میں مبتلا ہو چکے اس حسد کا

علاج کیا ہو؟ یہ مشکل ہے، لمبا کام ہے، ریاضت ہے، ریاضتِ نفس ہے اور اَخلاق کبھی ریاضت کے بغیر درست ہو نہیں سکتا۔ اس ریاضت کے لیے اکیلا انسان کافی نہیں ہے۔ اس ریاضت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو depute کیا، ربّ العزت نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (آلِ عمران:164)

"اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں خود انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی کتاب کی آیات تلاوت کر کے سناتا ہے، ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔ (یعنی اپنے آپ کو اور اپنی سوسائٹی کو deal کرنے کی تعلیم دیتا ہے)۔

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نفس کی پاکیزگی کے لیے، برائیوں کو دور کرنے کے لیے پیغمبر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک کردار مزکّی کا کردار تھا کہ آپ ﷺ نفوس کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے آئے تھے۔

تیسری شکل pear group کی ہے جیسے ربّ العزت نے فرمایا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر)

"قسم ہے زمانے کی! بے شک انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے، جنھوں نے نیک عمل کیے اور جو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہے"۔

بس یہ دو کام کر کے گھر نہیں بیٹھ گئے، جنھوں نے دو مزید کام کیے تواصوبالحق اور تواصوابالصبر۔ تواصوابالحق کا یہ مطلب ہے کہ آپ کسی کے سامنے برملا اظہار کر سکتے ہیں کہ

یہ خرابی ہے جس کو آپ نے دور کرنا ہے اور دوسرے وہ ہیں جو ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے''۔

یہاں صبر کا کیا مفہوم ہے؟ جب انسان غلطیوں پر غلطیاں کرتا ہے تو مایوس ہوتا ہے کہ میں نے تو ٹھیک ہونا ہی نہیں یا جیسے انسان بڑا کام کرتا ہے دعوت الیٰ اللہ کا اور نفس حالات کے ہاتھوں پریشان ہو جاتا ہے اور انسان بہت زیادہ آگے نہیں بڑھ سکتا تو تواصوا بالصبر یہ ہے کہ جمے رہو، ڈٹے رہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہوگی انشاء اللہ، push کرنا، ایک دوسرے کو احساس دلانا۔ اس سے ممکن ہوسکتا ہے کہ برائیاں دور ہوں۔ یہ میں نے Triangle بتائی ہے، ابھی طریقہ کار نہیں بتایا کہ حسد دور کیسے ہوگا؟ کیونکہ اس کا وقت آج نہیں ہے۔ انشاء اللہ آگے اس کی تفصیل دیکھیں گے ہاں سادہ سی بات ضرور کہوں گی کہ کچھ چیزیں ہیں، چھوٹے چھوٹے tips ہیں جن کی وجہ سے حسد کا معاملہ handle ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حسد اس وقت ہوتا ہے جب communication gap ہوتا ہے تو اس gap کو ختم کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے جو طریقے بتائے ہیں وہ یہ ہیں: سلام کو رواج دیں، فرمایا:

اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (صحیح مسلم:194)

''سلام کو آپس میں رواج دو''۔

تُطْعِمُ الطَّعَامَ (صحیح بخاری:28)

''ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ''۔

آزما کر دیکھیں، یہ فقط چھوٹے چھوٹے دو Tips بتائے ہیں ان سے فرق آجاتا ہے۔ حسد کی Intensity کم ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حسد بالکل ہی ختم ہو گیا، ابھی treatment تو کرنا ہے لیکن یہ External treatment ہے ناں تو اس کے لیے

یہ ماحول بن رہا ہے تو اس ماحول کی وجہ سے بہت فائدہ ہو جاتا ہے۔اور تیسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَهَادُوْا تَحَابُّوْا (مجمع الزوائد)

''تم آپس میں ہدیے کا لین دین کرو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے''۔

جب میری شادی ہوئی تو ابا جی نے مجھے کہا تھا کہ سسرالی زندگی میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اچھی نہیں لگ رہی ہوتیں اور بہت سی خلافِ واقعہ باتیں ہوتی ہیں تو اگر کسی کے بارے میں دل میں رنجش پیدا ہونے لگے تو اسے تحفہ دے دینا۔الحمدللہ اس کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔جس کے لیے انسان کوئی چیز خریدنے جاتا ہے، آگے بڑھ کے کوئی چیز دیتا ہے اس کے بارے میں ذہن میں اتنے منفی خیالات نہیں رہتے ،نفسیاتی طور پر یہ چیز انسان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ایک انسان نیت کر لے، ارادہ کر لے تو بہر حال واپسی کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

چھٹا دروازہ: ظاہری زیب وزینت

چھٹا دروازے ہے ظاہری زیب وزینت۔ظاہری طور پر اچھا نظر آنا،اچھا ماحول، بہترین لباس،خوبصورت ماحول انسان کو بہت Attract کرتا ہے۔انسان کا جی بھی بہت لگتا ہے اور اچھی چیز کو دیکھ کر خواہش کا پیدا ہوجانا، یہ بڑی نیچرل بات ہے۔اچھے ماحول میں رہ کر اچھے ماحول کی تمنا کرنا،کسی کے اچھے گھر کو دیکھ کر اچھے گھر کی تمنا کرنا،کسی کے اچھے لباس کو دیکھ کر اچھے لباس کی تمنا کرنا،کوئی اور ایسی چیز، جو بھی ظاہر میں ہے اور اچھا دِکھتا ہے انسان اس کی تمنا کرتا ہے۔بس اگلا طریقۂ کار شروع ہوگیا،اب کیا ہوگا؟اب اس اچھے کو پانے کی تمنا محض تمنا نہیں رہے گی،اب اس کے لیے وقت لگے گا،صلاحیت لگے گی،مال لگے گا،Track تبدیل ہوگیا ناں۔

عین اس وقت پہ جب انسان کسی چیز سے متاثر ہورہا ہوتا ہے تو صرف اس چیز کا اثر انسان پر نہیں آرہا ہوتا،شیطان بھی ساتھ آرہا ہوتا ہے۔Impress ہوتے وقت یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ میں صرف Impress نہیں ہورہی، دراصل Press بھی ہورہی ہوں شیطان کے ہاتھوں اور Impress کو اگر دیکھیں تو I am Press! کیا ایسا نہیں ہے؟ انسان شیطان کے ہاتھوں پریس ہوجاتا ہے Under pressure آجاتا ہے اور اس موقع پر انسان کی کیفیت کیسے ہوجاتی ہے؟ کچھ چیزیں ناقابلِ حصول ہوجاتی ہیں تو غم زدہ ہوجاتا ہے،سوچتا ہے کہ آخر یہ میرے سے آگے کیوں ہے؟

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں دوسروں پر اتنی ہیں، آخر مجھ میں کیا کمی ہے؟ اللہ تعالیٰ سے شکوے پیدا ہونے لگتے ہیں، اپنے حالات سے شکوے پیدا ہونے لگتے ہیں، Satisfaction اٹھ جاتی ہے، کوششوں کا رخ بدل جاتا ہے اور انسان واقعی پریس ہو جاتا ہے۔

آپ دیکھیں کہ پریس کوئی بھی چیز ہو رہی ہو بہر حال اس کے نتائج تو تقریباً ایک جیسے ہی نکلتے ہیں۔ مثال کے طور پر کپڑے بہت پھولے ہوئے ہیں پریس ہو جائیں گے تو ظاہر ہے کہ سمٹ جائیں گے۔ اسی طرح انسان جب پریس ہوتا ہے تو اس کے اندر سے نیکی سمٹ جاتی ہے، اس کے اندر سے ربّ کی محبت سمٹ جاتی ہے اور پھر آپ دیکھئے کہ ایک انسان کے اندر سے نیکی سمٹے تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مثال کے طور پر آپ کے گھر میں بہت ساری چیزیں ہیں جو پھیلی پڑی ہیں، آپ انہیں سمیٹ دیں گے تو سمٹ جائیں گی لیکن ایسی چیزیں جو فالتو ہوں، غیر ضروری ہوں یا ایسی چیزیں جن کی طرف آپ کی نظرِ کرم نہیں ہوتی تو آپ کیا کریں گے؟ پہلے سٹور میں بھیجیں گے، پھر وہ چیزیں آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ باہر نکال دی جائیں گی۔

آپ کا بھی ایک سٹور ہے، آپ کا تحت الشعور۔ آپ کے شعور سے نیکیاں تحت الشعور میں جاتی ہیں، پھر تحت الشعور میں رہتی ہیں لیکن ایسی جگہ گم ہو جاتی ہیں کہ آہستہ آہستہ ایسے ختم ہو جاتی ہے کہ یاد ہی نہیں رہتیں۔ پھر ذہن میں ایسی دنیا سمائی رہتی ہے کہ کسی کی گاڑی دیکھ کے انسان حسرت میں مبتلا ہے، آہیں بھر رہا ہے، کسی کا گھر دیکھ کے، کسی کا لباس دیکھ کے، کسی کی دولت دیکھ کے، کسی کا حسن دیکھ کے، اسی طرح بہت ساری چیزیں جو دنیا میں ہیں۔

ظاہری زیب وزینت سے اگر انسان Impress ہو تو انسان کے دل میں ایسی

خواہشات پیدا ہوتی ہیں جو دل سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ وہ نماز پڑھے تو خواہش آ کے دل پہ قبضہ کر لیتی ہے، وہی ساری باتیں، وہی سارے پروگرام، پھر کافی حد تک انسان شیخ چلی بن جاتا ہے۔ اس کے پلان بناتا رہتا ہے، ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہتا ہے مگر ربّ العزت نے تو فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56)

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں''۔

غلامی کی بات ختم، سوچ ہی نہیں آتی اب۔ سوچ کسی اور طرف لگ گئی۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، جتنے لوگ احتیاط پسند ہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی وہ محتاط ہو جاتے ہیں کہ یہ چیز مجھے خراب کرے گی۔ اسی وجہ سے جو اہلِ تقویٰ تھے، جو اپنے نفس کو بچانا چاہتے تھے، جو اللہ کی آگ سے بچنا چاہتے تھے، انہیں ایک خیال چھوجاتا تھا تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔ قرآنِ حکیم بھی اُن کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ انہیں کوئی خیال چھوجاتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ تقویٰ والوں کو کوئی خیال چھوئے تو انہیں پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ خیال کیسا ہے؟ اس کا مجھ پہ کیسا اثر ہو گیا؟ لیکن جس کو اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں ہوتا، اس کو خیال صرف چھوتا نہیں ہے بلکہ پورا خیال ذہن پہ قبضہ جما لیتا ہے، پھر وہی سوچ حاوی رہتی ہے۔ انسان کو رب سے دُعا کرنی چاہیے کہ ربّ نفس کی خواہشات سے بچالے، اپنی حفاظت، اپنی امان میں رکھے۔

ایک چیز پھر Revise کر لیں کہ جس وقت انسان کسی چیز کے ظاہری حسن سے، ظاہری زیب و زینت سے متاثر ہو رہا ہوتا ہے، عین اس لمحے وہ شیطان کو Invite کر رہا ہوتا ہے۔ شیطان کے لیے موقع بن رہا ہوتا ہے، راستہ بن رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا کیا نہیں کرنا؟ Impress نہیں ہونا۔ اپنے آپ کو بچانا ہے۔ یہ دروازہ ضرور بند کرنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

کبھی کبھی جب میں یہ سوچتی ہوں کہ دل کے یہ چور دروازے ہیں جہاں سے شیطان آتا ہے تو مجھے غارِ ثور بہت یاد آتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اندر لانے سے پہلے ہر ہر سوراخ بند کیا کہ کوئی جگہ ایسی نہ رہے جہاں سے کوئی موذی جانور آ سکے، ایک سوراخ رہ گیا تھا وہاں پاؤں رکھ دیا اور وہیں سے وہ آ گیا، وہیں سے اس نے کاٹ کھایا اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ نے جو دروازہ کھلا چھوڑ دیا وہیں سے کام خراب ہو گیا، آندھی آتی ہے، طوفان آتے ہیں تو ایسا تھوڑی ہوتا ہے کہ انسان اپنے گھر کے سارے دروازے بند کر دے اور ایک کھڑکی کھلی رکھے؟ جہاں سے آپ کھلا رکھیں گے وہیں سے ہی آندھی اور طوفان اپنا اثر دکھا جائے گا اور شیطان کو تو بس ہلکا سا، چھوٹا سا راستہ چاہیے۔ باقی کام وہ خود کر لیتا ہے۔

کبھی آپ دیکھیں کہ شیطان بہت تنگ راستے سے دل کے اندر داخل ہوتا ہے لیکن اندر جا کے وہ اتنا پھول جاتا ہے اور اتنا پھیل جاتا ہے کہ پھر اگر اسے باہر نکالنا چاہیں تو اتنے تنگ راستے سے باہر نکالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہمیشہ لوگ entry کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی غلط فرد اندر داخل نہ ہو جائے، چوکیدار بٹھا لیتے ہیں۔ کسی ادارے کے اندر چوکیدار کس لیے ہوتے ہیں؟ یا کسی شاپنگ پلازہ کے باہر گارڈز کیوں ہوتے ہیں؟ یا بینکس کے باہر؟ بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ جو کچھ اندر ہے اس کی حفاظت ہو جائے۔ مال کی حفاظت اگر ضروری ہے تو ایمان کی حفاظت اس سے زیادہ ضروری ہے۔

ساتواں دروازہ: لوگوں سے اُمید باندھنا

جس دل کے اتنے دروازے کھلے ہوئے ہوں وہاں ہینڈل کرنا تو اتنا ہی مشکل ہے اور یہ تو کافی لمبی چوڑی جنگ ہے اور ڈاکو لوٹ لینے کے لیے تیار ہے لیکن جو چیز انہوں نے لوٹ کر لے جانی ہے وہ اللہ کا تعلق ہے، وہ ایمان ہے۔ اس لیے بہت زیادہ alert رہنے کی ضرورت ہے، بہت مدد مانگنے کی ضرورت ہے، بہت زیادہ پناہ چاہنے کی ضرورت ہے۔

گیٹ نمبر سات بڑا ہی اہم ہے۔ اُمید باندھنا، Expectations، توقعات۔

؎ بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟

لوگوں سے اُمیدیں انسان کیسے باندھتا ہے؟ ''بیٹا! ساری زندگی ہم نے آپ کی خاطر محنت کی ہے اور اب جب آپ بڑے ہو گئے ہو، جب آپ کچھ کرنے کے قابل ہو گئے ہو تو آپ ہمارے لیے ایسا رویہ رکھو''۔ اُمید ہے ربّ سے؟ تجربہ کرتے ہوں گے کہ آپ کو اپنی اولاد سے اُمیدیں ہوتی ہیں، باپ سے، شوہر سے، بچوں سے، دوستوں سے، ہمسائیوں سے، جہاں تعلق ہوتا ہے انسان کو اُس سے امید ہوتی ہے۔

''آپ سے مجھے یہ امید نہیں تھی''۔ کب کب انسان یہ کہتا ہے؟ آپ کبھی نوٹ کر کے دیکھیں انسان نہ بھی کہتا ہو، کتنی بار اُس کی اُمید ٹوٹتی ہے؟ اندر ہی اندر کہ انسان سوچتا ہے کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ فلاں شخص مجھے یہ بات کہہ دے گا۔ چلو وہاں اُمید ٹوٹ گئی،

بھئی آپ نے اُمید باندھی ہی کیوں تھی؟ اُمید تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات سے باندھی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کے ماسوا کسی سے اُمید باندھے، یہی تو شرک ہے اور یہی چیز انسان کو دُکھی کر دیتی ہے۔ بہت دُکھ میں مبتلا کرنے والا گیٹ ہے یہ اور جس وقت انسان کسی دوسرے سے اُمید باندھ رہا ہوتا ہے مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ شیطان چھلانگیں لگا کر اندر آ رہا ہوتا ہے یعنی باقی معاملات میں شیطان Slowly آ رہا ہوتا ہے۔ یہ تو وہ دروازہ ہے جہاں پہ انسان دوسروں سے اُمیدیں باندھ کے زیادہ غافل ہوتا ہے، ٹوٹتا ہے اور جب ٹوٹتا ہے تو دراصل ربّ کی محبت ٹوٹتی ہے، ربّ سے اُمید ٹوٹتی ہے۔

دو رویے ہیں جو انسان کو نیکی کے میدان میں بہت آگے لے جاتے ہیں۔ یہ بہت آگے کی اسٹیج ہے اگر

- ایک انسان اپنی ساری اُمیدیں ربّ سے وابستہ کر لے۔
- صرف ربّ سے خوف محسوس کرے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے ابتداء میں احسان کی منزل کی بات کی تھی کہ یا تو ربّ پر نظریں لگا دو، یا ربّ کی نظروں کو خود پر محسوس کر لو۔ یہی بات محسنِ انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔ عبادت کے حسن کے حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (صحیح بخاری:50)

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اسے دیکھتے ہو''۔

یعنی تمہاری نظریں اس پر لگی ہوئی ہیں، تمہیں اُمید ہے کہ وہ تمہارے اس عمل کو قبول کرے گا۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ (صحیح بخاری:50)

''پھر اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھتا ہے''۔

کم از کم اتنا ضرور محسوس کر لو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے، اس کی نظریں اپنی ذات پہ لگی ہوئی محسوس کر لو۔ خوف بھی ربّ سے اور اُمید بھی ربّ سے۔ اگر کسی اور سے انسان ڈرنے لگے، انسان کا پرابلم یہی ہے کہ انسان انسانوں سے خوف کھانے لگتا ہے، کسی کو شوہر کا بہت خوف ہے۔ دیکھیں شوہر کا احترام ہونا چاہیے، شوہر کا خیال ہونا چاہیے، خوف کا حق تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر آپ دیکھئے کہ یہ خوف اتنا زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے پوری زندگی پھر انسان اسی انداز سے ترتیب دیتا ہے جس سے شوہر خوش ہو جائے۔ اسلام بھی شوہر کی خوشی چاہتا ہے لیکن خوف سے نہیں، اس طرح کے خوف سے نہیں۔ یہ جو pure خوف ہے، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے۔ ناراضی کا خوف ضرور ہونا چاہیے کہ شوہر ناراض نہ ہو لیکن ایک پیمانہ دے دیا کہ

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (صحیح الجامع الصغیر:7520)

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں''۔

شوہر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے تحت حکم دے رہا ہے یا شوہر کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں ہو رہی تو مان لینا چاہیے چاہے دل مانے یا نہ مانے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر معاملہ فرق ہو جاتا ہے، کیونکہ شوہر کو ربّ نے نگران بنایا ہے، یہ حق نہیں دیا کہ اس سے ویسا خوف رکھا جائے جیسا خوف ربّ سے رکھا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اُمید باندھنا دراصل شیطان کی آمد کے لیے استقبال کی تیاریاں کرنا ہے۔ یہ استقبال کی تیاری ہے کہ آؤ اور آکر کرو شکار مجھے اور انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب، کس وقت شیطان کو اس کا موقع مل جاتا ہے؟ لوگ کہتے ہیں اتنی اچھی نماز پڑھی تھی ظہر کی، ذکر کیا تھا، دعائیں کی تھیں لیکن اب خالی ہوئے بیٹھے ہیں، اب کیا کریں؟ ایسا

لگتا ہے جیسے کوئی چیز مطمئن ہی نہیں کرتی، دل گھبرا رہا ہے، پریشان ہو رہا ہے، پھر نمازوں کا کیا فائدہ؟ پھر ذکر کا کیا فائدہ؟ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا۔اب پتہ لگ گیا کہ ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھلا رہ گیا ہوگا۔لہٰذا کوئی دروازہ شیطان کے لیے کھلا نہیں رکھنا انشاءاللہ۔

حضرت صفوان ابنِ سلیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیطان عبداللہ ابنِ حنظلہ کے سامنے آیا اور کہنے لگا: اے حنظلہ کے بیٹے! میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں یاد رکھنا۔ابنِ حنظلہ نے کہا: مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں۔شیطان نے کہا پہلے بات سن لو، اچھی ہو تو قبول کر لینا اور بری ہو تو قبول نہ کرنا۔اے حنظلہ! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص سے ایسا سوال مت کر جس میں طمع پائی جاتی ہو اور غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھنا اس لیے کہ بندہ اپنے قابو میں نہیں رہتا تو میں اس پر قابو پا لیتا ہوں۔(احیاء العلوم)

بنیادی چیز جو ہم اس گیٹ کے حوالے سے discuss کر رہے تھے وہ ہے کسی سے اُمید رکھنا، کسی سے ایسا سوال نہ کرنا جس کی وجہ سے آپ کو اس سے کوئی اُمید ہو جائے، کسی سے اُمیدیں نہیں باندھنیں۔آج آپ نے اپنی زندگی کا جائزہ ضرور لینا ہے کہ میری اُمیدیں کس کس سے وابستہ ہیں؟ یہ بھی کافی غور و فکر کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا اور ایسی طویل فہرست بنے گی کہ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اتنے انسانوں سے تو میری اُمیدیں وابستہ ہیں اور اس کے مقابلے میں پھر آپ دیکھئے گا کہ اس معاملے میں ربّ سے پھر کتنی اُمید ہے؟ غور کرنے سے اور اپنا محاسبہ کرنے سے انسان کو اپنا پتہ چلتا ہے کہ میں کہاں سے خراب ہوتا ہوں؟ اُمید سے انسان بہت خراب ہوتا ہے اگر انسان سے مانگ رکھی جائے۔

دسواں دروازہ: فقر کا خوف

آٹھواں دروازہ عجلت کا ہے، جلدی۔ جب انسان کو کسی کام کی جلدی ہوتی ہے تو اس کے اندر مستقل مزاجی نہیں رہتی، ہر کام وہ اُکھڑا اُکھڑا کرتا ہے۔ اگر آپ نے عجلت کی عملی تصویریں دیکھنی ہیں، یوں تو آپ اس سوسائٹی کے اندر رہتے ہوئے بھی دیکھ سکتے ہیں لیکن کام عجلت کا نمونہ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسان جلدی جلدی جلدی کر رہا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو سب تلقین کر رہے ہوتے ہیں صبر صبر صبر!

جلدی کا کام شیطان کا ہے۔ آپ کو کبھی کسی معاملے میں عجلت لاحق ہوئی ہے؟ ''جلدی جلدی یہ کام کرلوں''۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ تیزی سے کام نہ کریں۔ کام کو تیزی سے کیا جاسکتا ہے لیکن عجلت ایک نفسیاتی کیفیت ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے، پریشانی۔ پریشانی کیا ہوتی ہے؟ کہ ہوسکتا ہے یہ کام نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ کام ہونے کے بجائے خراب ہوجائے! اور عجلت کی وجہ سے ایک انسان انجانی پریشانی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اپنی کیفیت کو وہ Define نہیں کرسکتا کہ مجھے ہوا کیا ہے؟ تو عجلت، جلدی، جلدبازی دراصل شیطان کی آمد کی تیاری ہے۔ ربّ العزت نے فرمایا:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیآء:37)

''انسان جلدی کے خمیر سے بنا ہوا ہے''۔

یعنی اتنا زیادہ انسان کے اندر یہ صفت جلدی آتی ہے کہ گویا اس کا خمیر ہی جلدی سے

اٹھایا گیا ہے۔ ترمذی کی روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے اور توقف یعنی ٹھہر ٹھہر کر کام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

قرآنِ حکیم میں ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (بنی اسرآئیل:11)

''انسان بہت جلد باز ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ سے نیکی کا اتنا بڑا کام کرواتے ہوئے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ

وَلَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْهِ وَحْيُهٗ (طٰہٰ:114)

قرآن میں پوری وحی نازل ہونے سے پہلے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو''۔

اِنَّ عَلَيْنَاجَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَاقَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ:18-17)

''ہمارا کام ہے قرآن کا پڑھوا دینا اور اس کا جمع کر دینا، پھر جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس کا اتباع کرو''۔

جیسے آپ جب قرآن شروع کریں گے عجلت والی بات پہلے سامنے آتی ہے۔''پتہ نہیں کب ختم ہوتا ہے؟'' اب جو یہ بات ہے ناں کہ ''پتہ نہیں ہوگا یا نہیں''؟ ''پتہ نہیں کب ہوگا؟'' یہ چیزیں ہیں جو انسان کے اندر عجلت پیدا کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ جب کام نہیں ہوتا، انسان مایوس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی کسان بیج بوئے اور اس کے سرہانے بیٹھ جائے کہ پتہ نہیں کب فصل اُگے گی؟ کب اس کے اوپر زیادہ گندم لگے گی؟ فرض کریں کسی نے آم کا پودا لگایا، اب اس کا انتظار کر رہا ہے کہ کب پودا لگے اور کب اس پر آم لگیں گے؟ لیکن انتظار تو بہت طویل ہے۔ طویل المدت کاموں کے لیے

ایک انسان اگر اپنے آپ کو باندھ کر رکھتا ہے تو اس کو انتظار کہتے ہیں جو عجلت کے Opposite ہے۔ تب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عجلت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیوں کیا؟ کہ کام properly ہونا چاہیے، کوالٹی مقصود ہے۔ مثال کے طور پر آپ اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پختہ علم حاصل کرنا، علم میں پختگی پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے لیکن اگر آپ کو عجلت لاحق ہو جائے، آپ تحقیق نہ کرنا چاہیں، یاد نہ کرنا چاہیں یا اس کے بارے میں یہ سوچنا چاہیں کہ چلو جلدی جلدی کر لیتے ہیں تو اس عجلت کی وجہ سے علم پختہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا صبر اور سکون کے ساتھ مستقل مزاجی کے ساتھ جو کچھ کہا جائے گا وہ کرنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ایک تو یہ بات ہے علم کے میدان میں اور دوسرے زندگی کے عام معاملات کے حوالے سے بھی صبر اور سکون کے ساتھ، حالات و واقعات کا پوری طرح سے جائزہ لینے کے بعد کہ ایک کام کو کتنی مدت لگتی ہے؟ پھر وہ کام انجام دینا ہے۔ عجلت سے منع اس وجہ سے کیا گیا کہ جلد بازی کے وقت شیطان انسان کے دل پر قبضہ جما لیتا ہے اور گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا کرتا ہے۔ آپ نے زندگی میں یہ بات کبھی کی ہے؟ سنی ہے یا دیکھی ہے؟ ''مجھے بہت ٹینشن ہے''۔ ایسا کبھی ہوا ہے کہ آپ کو عجلت کی وجہ سے ٹینشن ہوئی ہو؟ آپ نے ایک گیٹ کھلا رکھا ہوا ہے۔ Kindly close the door، انشاء اللہ تعالیٰ پھر ٹینشن نہیں ہوگی۔

اسی طرح جب ایک انسان ٹینشن میں مبتلا نہیں ہوتا، سکون سے کام کرتا ہے تو کوالٹی بھی برقرار رہتی ہے، انسان مستقل مزاجی بھی سیکھتا ہے اور پھر انسان اچھا کام کرتا ہے۔ کہتے ہیں: سہج پکے سو میٹھا ہو۔ پھل بھی آہستہ آہستہ پکتے ہیں اور کام بھی اپنے وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

عجلت کے حوالے سے ایک چیز ذہن میں رکھئے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان

سستی میں مبتلا ہو جائے۔مثال کے طور پر نماز کے لیے اٹھنا ہے تو انسان کہے کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ تھوڑی دیر میں اُٹھ جائیں گے۔اس سے یہ چیز مراد نہیں ہے۔یہ تو سستی ہے، یہ تو اپنے آپ کو پیچھے رکھنے کی سازش ہے اور یہ سازش شیطان کی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ٹھہراؤ کے ساتھ کام کرے۔رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا۔مجھے اس چیز کا بہت شوق ہوتا ہے کہ میں دیکھوں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وفد کیسے آیا تھا؟ اس دفعہ میں مسجدِ نبوی ﷺ میں ریاض الجنۃ کے قریب انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ابھی ہماری باری آئے گی تو ہم اندر جائیں گے۔میرے دل میں خیال آیا، ایسے ہی تو رسول اللہ ﷺ ملاقات کے لیے زندگی میں بلاتے ہوں گے، پھر ان کا نمبر لگتا ہوگا، پھر باری باری جاتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک چانس رکھا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے جہان سے جانے کے بعد بھی Delegations جاتے رہتے ہیں، وفود جاتے رہیں گے۔تو ملاقات کے لیے، سلام کے لیے ایک وفد آیا جسے وفد عبدالقیس کہتے ہیں۔اس کے آنے پر مدینہ میں یوں چہل پہل تھی جیسے کوئی عید ہو اور یوں خوشیاں منائیں گئیں کہ ان کے کھانے کا اہتمام، ان کے رہنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور لوگوں کو اچھا اس لیے لگ رہا تھا کہ یہ اسلام قبول کرنے کے لیے آئے ہیں اور ہمارے ساتھیوں میں اضافہ ہوگا۔جب سب لوگ آئے تو تیزی تیزی سے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں آپ ﷺ کی مجلس میں چلے آئے۔ان میں سے ایک شخص تھا جس کا نام اشج تھا۔اس نے خوشبو لگائی، صاف کپڑے پہنے، پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''تمہاری دو باتیں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی ہیں: ایک تو تمہارا حلم، بردباری اور دوسرے تمہارا وقار''۔

جلد بازی وقار سے Opposite ہے۔تحمل سے کام کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے،

وقار، عزت کے ساتھ، صبر اور سکون کے ساتھ کام کرنا۔

کبھی آپ نے دیکھا ہوگا جب لوگ کام کرتے ہیں جلدی جلدی راستے سے گزرنا، ایک دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہوئے یعنی جانے کی بھی جلدی، آنے کی بھی جلدی، افراتفری۔ بس عجلت کو آپ یوں سمجھ لیں کہ افراتفری ڈال دینا۔اس کے لیے یوں پلان کر لینا چاہیے کہ جیسے ایک کام کرنا ہے تو افراتفری کی بجائے وقت کا اندازہ لگا لیں کہ اس کام پہ اتنا وقت لگتا ہے تو اس کو اس وقت پہ شروع کرنا چاہیے۔ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے کے کام کو پلان کیا، ایک گھنٹے میں ہوا نہیں پھر شور مچایا تو یہ جو عجلت کا موقع ہے، یہ شیطان کا موقع ہوتا ہے تو اس موقع کو پیدا ہونے ہی نہیں دینا، سیکھنا ہے اور سیکھتا بھی انسان تب ہے جب کوئی بتائے کہ آپ عجلت کی بیماری میں مبتلا ہیں، آپ نے عجلت کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے ورنہ انسان اپنے آپ کو تو کامل ہی سمجھتا ہے۔اوپر اوپر سے کہتا رہتا ہے کہ میرے اندر بڑی کمزوریاں ہیں، خامیاں ہیں۔اندر سے بہت مختلف مائنڈ ہوتا ہے ورنہ اپنی اصلاح نہ کر لیں! یہ تو ایک دوسرے کو بتانے سے آئے گا، ایک دوسرے کی اصلاح کرنے سے اور باقاعدہ علمی مجالس میں شرکت کرنے سے اور باقاعدہ ایک تربیتی نظام کے تحت آنے سے آہستہ آہستہ اصلاح ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

طالبہ: عجلت کرنے اور active ہونے میں ضرور فرق واضح کر دیں۔

استاذہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے واضح کرنا چاہوں گی، اس سے Opposite، آپ کو خود ہی اصل بات سمجھ آجائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو مسکنت والی چال چلتے ہوئے دیکھا تو کوڑا اٹھا لیا کہ ظالم! کیوں ہمارے دین کو مارے ڈالتا ہے؟ یعنی اسلام نے کوئی مسکینی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کہ انسان بیماروں والی چال چلنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ ایک مضبوط چال چلتے تھے ایسے جیسے کوئی نشیب کی طرف جا

رہے ہوں۔آپ جانتے ہیں نشیب کی طرف جانے والی چال کیسے ہوتی ہے؟زیادہ تیز چلتے ہوئے اور یہ کہ جیسے پنجے چلتے رہیں اور ایڑی زیادہ نیچے نہ لگے۔پھر انسان زیادہ تیز چل سکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی لائف ایک ایکٹو لائف تھی لیکن آپ ﷺ عجلت پسند نہیں تھے۔

عجلت پسندی کا مفہوم میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔عجلت کا مطلب ہے کسی کام میں افراتفری ڈال دینا۔صحیح وقت کو پلان کریں اور اس کے مطابق جب ٹائم کا Estimate لگائیں۔اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو افراتفری نہیں ہوگی، پریشانی نہیں ہوگی، نہ پورا ماحول متاثر ہوگا لیکن آپ اگر ڈپریس ہو کے اپنے چہرے پہ بیماری کا سا تاثر لے کر باہر نکلتے ہوئے یا اندر جاتے ہوئے یوں چلیں کہ جیسے صدیوں کے مریض ہوں تو یہ رویہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ایکٹو ہو کے کام کرنا عجلت نہیں ہے۔عجلت سے مراد یہ ہے کہ کام کو سکون کے ساتھ انجام نہ دینا۔ ایکٹو انسان کام کو تو ٹھیک انجام دے رہا ہوتا ہے لیکن طریقے کے ساتھ کام کرنا actively کام کرنا ہے اور بے سلیقہ کام کرنا، افراتفری کر کے کرنا عجلت ہے۔

نواں دروازہ: مال ودولت کی محبت

نواں دروازہ مال ودولت کی محبت کا ہے۔ مال اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہے، فتنہ اور آزمائش بھی ہے۔ مال کا راستہ ایسا ہے کہ انسان کو اپنی ضروریات کے لیے یہ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن جہاں تک مال کی محبت کا تعلق ہے، یہ محبت اور یہ حرص اور مال کے حوالے سے جو تمنائیں ہیں یہ انسان کے ذہن اور اس کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ پھر انسان کا ذہن، اُس کا قلب کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ موجود ہے وہ دو کی تمنا کرتا ہے اور یہ تمنا multiply ہوتی چلی جاتی ہے، تھوڑے پر انسان اکتفا نہیں کرتا۔ کسی فرد کو دیکھیں تو اس کی ضروریات کا دائرہ کیسے پھیلتا ہے اور کیسے وہ اس چکر میں آتا ہے؟ نو سے ننانوے کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ ایک Vicious circle ہے، اس سرکل میں انسان آتا ہے تو اس کے اوقات اس کے اپنے نہیں رہتے، فرصت نہیں ملتی، اس کی وجہ سے ایک انسان مسلسل مصروفِ عمل رہتا ہے حتیٰ کہ نمازوں کے اوقات میں بھی اسے فرصت نہیں ملتی، لالچ بڑھ جاتا ہے اور انسان مسلسل اپنی عمر مال کے پیچھے لگاتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں مال کو فتنہ قرار دیا۔ مال اور اولاد فتنہ ہے، آزمائش ہے۔

اس اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مال عام انسانوں کے لیے بھی فتنہ رہا لیکن مال کی محبت سے وہ افراد بھی بچ نہیں پائے جو علم اور عبادت میں بہت آگے نکل گئے۔ یہ مال ہی کی

محبت ہے جو انسان کا رشتہ علم سے، عبادت سے کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ربّ کے رشتے کو یہی مال کی محبت کاٹتی ہے۔

ایک روایت آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔ ایک مرتبہ ابلیس نے زمین کے حالات بدلے بدلے محسوس کیے۔ اُسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ زمین میں کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ قرآنِ حکیم سے بھی اس کی تصدیق ملتی ہے کہ شیطان آسمان میں سراغ نکالنے کے لیے نکلے کہ زمین میں ایسا کیا واقعہ ہوا ہے کہ ہر طرف پہرے داروں کی بھرمار ہے؟ اور جو کوئی، سُن گُن لینے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو شہابِ ثاقب اس کا پیچھا کرتا ہے۔ ابلیس کو اس بات کی بہت زیادہ کھوج لاحق ہوئی، سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا معاملہ ہوا؟ بالآخر پتہ چل گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو نبوت عطا کی جارہی ہے، آپ ﷺ پر آخری کتاب نازل ہورہی ہے۔ ابلیس نے کوشش کی کہ کتاب جن کو سنائی جارہی ہے، جن کو کتاب کی دعوت دی جارہی ہے ان پر قبضہ کرسکوں۔ اس نے اپنی پریشانی کا اظہار اپنے ساتھیوں سے کیا کہ میرے لیے انتہائی مشکل ہوگیا کس طرح ان لوگوں پر ہم کنٹرول حاصل کریں کہ جونہی انہیں کسی بات میں الجھانے کی کوشش کرتے ہیں یہ فوراً نماز کی نیت کرلیتے ہیں یا توبہ استغفار کرنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کو بہکانا مشکل ہوجاتا ہے تو ابلیس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے کہا کہ کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے گا۔ یہی کتاب والے ہوں گے لیکن جب ان کے پاس مال و دولت آئے گی اس وقت ہمیں ان کے دلوں پر قبضہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ (احیاء العلوم)

میں جو بات اس کے توسط سے آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ تمنا ہو یا نہ ہو، مال اگر پاس ہے تو شیطان کے آنے کا دروازہ کھل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مال بہت بڑی آزمائش ہے۔

مال کی وجہ سے انسان کے اندر حرص پیدا ہوتی ہے۔

مال کی وجہ سے بخل اندر آتا ہے۔

مال کی وجہ سے فقر کا خوف پیدا ہوتا ہے۔

اس مال کی محبت کی وجہ سے رشتوں کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

اس مال کی وجہ سے انسانیت کا درد ختم ہوتا ہے۔

یہ مال ہے جس کی وجہ سے حقیقی انسانی احساس انسانوں کے اندر سے اٹھ جاتا ہے۔

یہ مال ہے جس کی وجہ سے ربّ کا تعلق کٹ جاتا ہے۔

زمانے نے یہ دیکھا کہ جب مال مسلمانوں کے پاس آیا تو اُن کے وہ حالات نہیں رہے، وہ دلی کیفیات نہیں رہیں، عبادت کے اندر وہ ذوق وشوق نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کی وہ نوعیت نہیں رہی۔

پھر جب انسان کے پاس مال آتا ہے تو اس کی وجہ سے انسان سہولتوں کی تلاش میں لگتا ہے۔ نرم گرم بستروں میں سونے والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد مشکل ہی کیا کرتے ہیں۔ اب دیکھیں ایک فرد ہے جسے موسم کی گرمی سردی برداشت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ گرمیوں میں ائیر کنڈیشنڈ ماحول میں رہتا ہے، سردیوں میں بہت ٹھنڈک ہے تو گرم ماحول میں رہتا ہے۔ کیا ایسے انسان سے توقع کی جاسکتی ہے وہ سنگلاخ چٹانوں میں جا کے، موسم کے گرم وسرد کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے؟ انسان جتنی سہولتوں میں ہوتا ہے اتنا ہی Gradually ربّ سے دور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں انسان کو زیادہ سہولت ملتی ہے تو اسے زیادہ سکون ملتا ہے، اسے زیادہ نیند آتی ہے، وہ زیادہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ پھر آپ دیکھئے زیادہ آرام کرنے والے کے لیے رات کو اٹھنا بھی کتنا مشکل ہو جاتا ہے!

پھر اسی طرح مال کی وجہ سے ایک اور بیماری جو انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ تکبر

ہے۔ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے، کوئی بات برداشت نہیں کرتا، ذات کے اندر اتنا کبر پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں کے درد اور تکلیف کو بھی محسوس نہیں کرتا، اُسے کسی کی بھوک کا احساس نہیں رہتا، کسی کی بیماری کا احساس نہیں رہتا، کسی کے وقت کا احساس نہیں رہتا، اپنا آرام، اپنے گھر والوں کا آرام، اپنی ذاتی زندگی پہلی ترجیح بن جاتے ہیں اور شیطان اتنے حیلوں بہانوں سے انسان کو گھیر لیتا ہے کہ دیکھو پہلے گھر والے ٹھیک رہیں، گھر والوں کو مطمئن رکھیں گے، پھر ہی انسان کوئی اور کام کرنے کی پوزیشن میں آ سکتا ہے۔ ایک مبلغ کو، ایک دین کی دعوت دینے والے کو شیطان اس طرح اپنے دھوکے کی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

شیطان کو دل میں جگہ دینے کے لیے ایک ہی خیال کافی ہے کہ یہ میرا حق ہے، میرا مال ہے۔ بس ''میرے'' کا لفظ ہی کافی ہے۔ باقی معاملہ وہ خود سے خود اپنی عقل سے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جہاں انسان کہتا ہے: میرا مال! میرا گھر! میری دولت! میرے بچے! پھر اسی طرح اگر انسان ''میرے'' کی فہرستیں بنانا شروع کر دے اور اظہار کرنا شروع کر دے تو یہیں سے خرابی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ میرا تو ہے لیکن انسان جب اظہار کرتا ہے تو شیطان کو جگہ مل جاتی ہے۔ اس 'میرے' کی وجہ سے 'میں' آ جاتی ہے، کبر آ جاتا ہے اور اگر تکبر پیدا ہو جائے تو باقی معاملات پھر خود سے خود چلے آتے ہیں۔ پھر انسان دوسروں کی باتوں کو محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے، چھوٹی چھوٹی باتیں مائنڈ کرتا ہے، اپنی عزتِ نفس پر حرف سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور اس وجہ سے ایک انسان کے معاشرتی رویے خراب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

فرض کریں کہ کسی نے کسی کی بات کو مائنڈ کیا، کیوں؟ اپنی شان میں گستاخی سمجھی، یہ سمجھا کہ کسی نے میرا حق متاثر کیا ہے۔ لہٰذا مائنڈ کرنے کی وجہ سے دل کے اندر تلخی پیدا ہوئی، بدگمانی آ گئی۔ صرف ایک دروازہ نہیں کھلا، کئی دروازے کھل گئے، تکبر کا، بدگمانی کا، حسد کا

اور آپ دیکھیں کہ شیطان کو کتنے Angle سے کام کرنے کا موقع مل گیا!

اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں 'میں' ابھرتی ہے اس کے ساتھ ہی انسان کے اندر ایک تلخیوں کی آندھی سی چلنی شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے تھوڑی تھوڑی مٹی اٹھتی ہے، پھر وہ پورا طوفان بن جاتا ہے، اندر ہی اندر جھکڑ چلتے ہیں، آندھیاں چلتی ہیں اور انسان اگر اس وقت اپنی کیفیت دیکھے وہاں اللہ تعالیٰ کا تعلق لٹتا ہے، توجہ ہی نہیں رہتی، ربّ کا خوف نہیں رہتا، ربّ سے کوئی اُمید نہیں رہتی، ربّ کو منانے کی کوئی حرص نہیں رہتی ہے، ربّ کی رضا کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ فقط ایک ہی خیال آتا ہے: 'میں' 'مجھے یہ کہا' 'میرے ساتھ یہ معاملہ ہوا' اور پھر بات صرف اتنی نہیں رہتی آگے بڑھتی ہے۔ انسان پھر طعنے دینا شروع کر دیتا ہے، پیٹھ پیچھے باتیں کرنے لگتا ہے، غیبتیں کرنے لگتا ہے۔ اس میں مال کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر مال والا ان صفات میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن پھسلنے کے مواقع اتنے زیادہ ہیں کہ انسان کے لیے بچنا واقعی بہت مشکل ہے۔

مال پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ عجیب بات دیکھیں گے کہ ایک طرف انسان زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور ایک طرف دل کا ایک کارنر بچا کر رکھتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو بھی بڑا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک طرف شکر ہے اور ایک طرف کبر ہے۔ شکر گزاری کیا ہے؟ کہ نعمت میری وجہ سے نہیں، اس میں میرا کمال نہیں ہے، میرے ربّ نے مجھے عطا کیا ہے اور کبر کس وجہ سے ہے؟ میں، میرا مال، میرا گھر، میری فیصلے اور 'میں' کے حوالے سے جو کچھ بھی اس کے ذہن میں آتا ہے۔ شیطان Gradually یہ کام کرتا ہے کہ شکر کو کم کرتا چلا جاتا ہے اور کبر زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ساری وہ برائیاں جو اس سے related ہیں انسان کے اندر دَر آتی ہیں۔

دیکھیں! شیطان کے اندر بھی تو بنیادی ایک ہی خرابی تھی "اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ" میں اس سے

بہتر ہوں''۔اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے یہ پوچھا تھا کہ مَا مَنَعَکَ ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا''؟ وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو تو نہیں تھا، وہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ دنیا میں آپ دیکھیں ہمیشہ انسان ایسی Situation میں پھنس جاتا ہے جہاں کسی نہ کسی آدم کے سامنے انسان کو جھکنا ہوتا ہے یا تو وہ ربّ کے حکم کے تحت جھک جاتا ہے یا ابلیس کی طرح اکڑ جاتا ہے کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ''میں اس سے بہتر ہوں''۔شیطان اتنے برے طریقے سے الجھاتا ہے کہ انسان کو یہ بھول ہی جاتا ہے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔کیا ابلیس شکر گزار نہیں تھا؟ عبادت گزار نہیں تھا؟ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا خوف رکھنے والا نہیں تھا؟ کبر نے، اپنی ذات کی بڑائی کے احساس نے ربّ کے خوف سے بھی محروم کر دیا۔

معلوم ہوا کہ اس گیٹ کے بارے میں بہت Concsious رہنے کی ضرورت ہے۔ مال زیادہ ہو تو ذمہ داری زیادہ ہے۔کبھی آپ نے یہ سوچا کہ اللہ کے نبی مال سے خوف زدہ کیوں رہتے تھے؟ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس تین درہم بھی ہوتے تھے تو جب تک ان سے فارغ نہیں ہو جاتے تھے، سوتے نہیں تھے۔ ایک دفعہ اذان کے بعد اقامت ہوئی اور آپ ﷺ کو یاد آ گیا کہ میرے گھر میں ایسا مال پڑا ہے جو میں دوسروں کو دے دوں تو یہ زیادہ مفید ہے۔آپ ﷺ نے اقامت کے بعد لوگوں سے کہا میں ابھی آتا ہوں۔گھر سے وہ مال نکالا، وہ دینار نکالے اور اس کے بعد توجہ کے ساتھ نماز ادا کی۔

اگر رسول اللہ ﷺ کو نماز میں توجہ [Concentration] کے لیے اتنا بڑا Step لینے کی ضرورت تھی تو ہم کس category میں ہیں کہ ہمیں فرق نہیں پڑتا؟ بہت فرق پڑتا ہے، ایک ایک چیز کا فرق پڑتا ہے۔بس انسان اپنے ساتھ مخلص نہیں ہے، اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے کہ مجھے فرق نہیں پڑتا، میرے لیے برابر ہے، میں اس چیز کو ہینڈل کر سکتا ہوں۔

بہت مشکل ہے، کانٹوں کا زینہ ہے۔

ایک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

حقیقت یہ ہے کہ بڑی ذمہ داری ہے مال کے ساتھ۔ آپ کو یاد ہوگا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا تھا کہ میں نے مال کی محبت آپ کی محبت کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ یعنی اگر میں نے گھوڑے رکھے تو اس وجہ سے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کام آئیں۔ یہ واقعہ قرآنِ حکیم میں ملتا ہے کہ وہ اپنے گھوڑے کی پنڈلیوں پہ ہاتھ پھیر رہے تھے، گھوڑوں سے اظہارِ محبت کر رہے تھے کہ سورج ڈوب گیا، عبادت کا وقت گزر گیا۔ وہ نبی تھے اور ہم کیا ہیں؟ اس لحاظ سے اس طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ایک طرف ہے مال کا کمانا اور دوسری طرف ہے مال کا برتنا۔ مال کمانا اور مال خرچ کرنا، ہر اعتبار سے انسان فتنے میں مبتلا ہے۔ کمانے کے لیے وقت لگاتا ہے، صلاحیتیں لگاتا ہے، ظاہر ہے انسانی ضروریات بھی ہیں۔ صلاحیتیں، وقت، سبھی کچھ لگانا پڑتا ہے لیکن کیا سبھی کچھ اس دنیا کے مال و دولت کے لیے؟ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے زمین اس لیے بنائی تھی کہ انسان جاب کرتا رہے، بزنس کرتا رہے؟ کیا انسان اسی لیے پیدا ہوئے؟ کیا آدم علیہ السلام اور ابلیس کا جو ٹکراؤ ہوا تھا، فرشتوں سے جو سجدہ کروایا گیا تھا، وہ اسی لیے کہ ہم کھاتے رہیں، پیتے رہیں، سوتے رہیں، بچے پڑھاتے رہیں، دنیا کا نظام چلتا رہے and thats it? کیا واقعی یہ سب کچھ اتنے چھوٹے مقصد کے لیے تھا؟ ایسا نہیں ہے۔ بڑے مقصد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بڑا مقصد کیا ہے؟ کہ انسان نے اپنی ضروریات کے لیے سامان تو کرنا ہی ہے، کرے گا مگر گم نہ ہو جائے۔ کبھی آپ نوٹ کرتے ہیں گھروں میں چوکیدار کیوں رکھے جاتے ہیں؟ کبھی آپ نوٹ کرتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کو گھر سے باہر تنہا کیوں نہیں جانے دیتے؟

چھوٹے بچوں کی اتنی زیادہ نگہداشت کیوں ہوتی ہے؟ مارکیٹ لے کر جارہے ہیں یا اپنے ساتھ کسی اور جگہ لے کر جارہے ہیں، سکول چھوڑنے کیوں جارہے ہیں؟ واپس لینے کیوں جا رہے ہیں؟ زیرِ نگرانی کیوں رکھ رہے ہیں؟ کہیں بچہ گم نہ ہوجائے۔ گھروں کی حفاظت، بچوں کی حفاظت کے لیے کتنی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں! اپنے بچے کے گم ہونے کا اتنا احساس کرنے والے کو اپنے گم ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں گم نہ ہوجائے۔ دنیا میں انسان کیوں آیا؟ ربّ العزت نے اس کے آنے کا سبب بتایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّاریات:56)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے ماسوا کسی مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا''۔

انسان کی عبادت کے راستے میں ابلیس حائل ہے۔ ربّ سے تعلق جڑنے نہیں دیتا، بننے نہیں دیتا۔ انسان نے ساری زندگی مشقت کرنی ہے، effort کرنی ہے، ربّ کا ہو کر رہنا ہے، ربّ کے نظام میں بندھ کر رہنا ہے۔ کبھی آپ نے محسوس کیا کہ گھر سے جو بھی جاتا ہے لوٹ کر آنے کے لیے جاتا ہے اور گھر کو لوٹنے والا اگر وہ صاحبِ شعور ہے تو لوٹتے وقت کبھی تنگی، تکلیف اور irritation محسوس نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ گھر ہی میں تو سکون ہے، گھر ہی تو وہ مقام ہے جہاں پر انسان اپنی تکالیف کا ازالہ کرنا چاہتا ہے، جہاں پر تھوڑا سستانا چاہتا ہے، جہاں تھوڑا سکون اور محبت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اپنے گھر سے نکل کر واپس آنے والا اس بات کو کیوں نہیں محسوس کرتا کہ جنت سے نکل کر آئے ہیں اور جنت جانا ہے؟ اصلی گھر۔ راستے کو اپنی منزل کیوں بنا بیٹھا ہے انسان؟ ہم تو ابھی راہ گزر میں ہیں لیکن اس راہ گزر نے ہمیں اپنا قیدی بنالیا، مال و دولت نے ہمیں باندھ لیا۔ سورۃ یاسین میں آتا

ہے کہ:

"ایک دیوار ان کے آگے ہے، ایک دیوار ان کے پیچھے ہے"۔

ذرا سوچ کر دیکھیں کہ دو دیواروں میں آگے اور پیچھے سے گھرا ہوا انسان قید میں نہیں آ جاتا! نہ آخرت کے گھر پر نظر ہے، نہ پچھلی قوموں کے حالات پر نظر ہے۔ صرف دنیا! دنیا کے قیدی بن کے رہ گئے، مال کے قیدی بن کر رہ گئے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے مال نے ہماری صلاحیتیں، ہمارا وقت، ہمارا شعور، سب کچھ خرید لیا، سب کچھ ہم اس دنیا کی خاطر لگاتے چلے جاتے ہیں۔ ربّ العزت احساس دلاتے ہیں:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (الاعلیٰ:16,17)

"تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے"۔

ایک طرف دنیا ہے، دنیا کا مال اور دوسری طرف آخرت۔ شیطان بس ایک ہی کام کرتا ہے، کسی طرح انسان کے سامنے آخرت کو واضح نہ ہونے دے، پردہ ڈال دے تو وہ مال کی محبت کا پردہ ڈال دیتا ہے۔ انسان کو صرف مال کے حصول کے لیے سب کچھ کرنا ہی نظر آتا ہے، یہی اسے حقیقت محسوس ہوتی ہے، Reality اس کے ماسوا کچھ نہیں۔

مال اصل حقیقت ہے یا اس دنیا کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے؟ مال کو حقیقت سمجھتے ہیں، مال کو اصل Reality، دنیا کو اصل Reality سمجھتے ہیں، اس لیے دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ دنیا کے پیچھے نہیں بھاگنا، دنیا سے بھاگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ (الذّاریات:50)

"اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو"۔

آپ دیکھیں! جس نے مال کی بیڑیاں پہن رکھی ہیں، مال کا طوق پہن رکھا ہے، مال

کو کندھوں پہ اٹھا رکھا ہے بھاگ سکتا ہے؟ بھاگنے کے لیے تو light weight ہونا بہت ضروری ہے۔لہٰذا اپنی ضروریات پر کٹ لگانا ہے۔خود کو light weighted رکھنا ہے۔ ابھی مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ ذمہ داریوں کی،فرائض کی Limit کیا ہے؟ صبح سے لے کے رات ہو جاتی ہے۔ہمارے گھر والے،اہلِ خاندان کہتے ہیں یہ بھی ذمہ داری ہے،یہ بھی فرض ہے،یہ بھی فرض ہے۔اب آپ دیکھئے کہ ایک کھانے سے گزارا چلتا ہے تو پانچ کھانے یا دس کھانے بنانا فرض کیسے ہو گیا؟اگر دو یا تین سوٹس پہ گزارا چلتا ہے تو دس یا بیس بنانا فرض کیسے ہو گیا؟ پھر صرف بنانا نہیں ہے،اس کو سنبھالنا بھی،صاف کرنا، پریس کروانا،ہر چیز کے لیے وقت چاہیے تو دیکھئے آپ کے کپڑے آپ کا کتنا وقت لے گئے! کھانا کتنا وقت لے گیا! گھر کی آرائش کتنا وقت لے گئی! دیکھیں کسی کا گھر اس کا ساز و سامان مختصر ہے تو اسے جلدی وقت مل گیا اور کسی کا سلسلہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا،صبح سے شام ہو جاتی ہے،رات ہو جاتی ہے،سارا وقت ایک ہی سلسلہ تو شعور کی گہرائیوں سے اس کو سوچنا چاہیے کہ ہم کہاں پھنسے ہوئے ہیں؟

جو پھنسا ہوا انسان ہے وہ کیا کوشش کرتا ہے؟ مثلاً فرض کریں کہ کسی کا ہاتھ اگر کسی چیز میں پھنس جاتا ہے تو وہ کیا کرے گا؟ فرض کریں کہ کسی ڈبے میں سے کوئی چیز نکالنی چاہی، ہاتھ باہر نکالنے لگے تو ہاتھ ایسی پوزیشن میں آ گیا کہ اب وہ باہر نہیں آ رہا تو کیا اب وہ چلتے پھرتے ڈبہ اٹھائے پھرے گا کہ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری مجبوری ہے،مجھ سے ممکن ہی نہیں ہے۔سب سے پہلے کیا کام ہوگا؟ اس ڈبے سے نجات حاصل کی جائے۔ذمہ داریاں تو انسان کو بہت کھینچتی ہیں یعنی انسان کو بے وقوفی کی بات نہیں محسوس ہوتی کہ وہ پھنسا ہوا ہے تو پہلے یہ محسوس کرے کہ میں پھنسا ہوا کہاں ہوں؟ پھر اپنے آپ کو نکالے جتنا جتنا نکال سکتا ہے،یہ کوئی اچانک نہیں ہو جاتا کہ اپنے آپ کو نکال بیٹھے۔وہ بہت عظیم لوگ

ہوتے ہیں جو اچانک اپنے آپ کو ان سے نجات دلا لیتے ہیں لیکن دنیا میں ایسے افراد کی Ratio بہت ہی کم ہے۔ ایک فطری طریقۂ کار یہ ہے کہ انسان غیر محسوس طریقے سے اپنے آپ کو پیچھے کھینچتا رہے۔

اب فرض کریں کہ کسی نے اپنی انگلی میں رِنگ پہنی۔ جب پہنی تھی تو ٹھیک ٹھاک تھی اب ہاتھوں پہ swelling ہوگئی۔ اب آپ کہتے ہیں کہ اتار دوں اور رِنگ پھنس گئی ہے۔ رِنگ عزیز بھی بہت ہے، آپ چاہتے نہیں ہیں کہ اسے کٹوائیں یا اس کا کوئی ایسا سلسلہ ہو، پھر اب کیا کریں گے؟ آپ کہیں گے اچھا تھوڑا لوشن لگا لوں، oiling کرلوں، تھوڑا نیم گرم پانی میں ہاتھ ڈالوں شاید swelling تھوڑی سی اتر جائے۔ ساتھ ساتھ رِنگ کو آپ آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح یہ اتر جائے، تھوڑا سا اِدھر سے کھینچتے ہیں، تھوڑا سا اُدھر سے، تھوڑا سا اِدھر سے اور آہستہ آہستہ وہ اتر جاتی ہے اور اگر نہ اترے تو آپ اسے کٹوا دیتے ہیں حالانکہ وہ آپ نے پہننے کے لیے، استعمال کے لیے ہی بنوائی ہے اور آپ کو عزیز بھی ہے لیکن ہر وقت تو نہیں پہنی جاسکتی اس لیے آپ اسے اتار کر رکھنا چاہتے ہیں۔

ایسے ہی انسان کا گھر، اُس کی زیرِ استعمال چیزیں ہیں۔ یہ سب انسان کے لیے بنی ہیں لیکن اصل میں ہو یہ گیا ہے کہ انسان ان کا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان ان کا نہ ہو، اپنے آپ کو Gradually نکال لے۔ اس دروازے پر، اس گیٹ پر ذرا زیادہ تفصیل سے بات چیت ہوگئی کیونکہ یہ دروازہ شاید کھلا ہی رہتا ہے، بند نہیں ہوسکتا یا یہ ہے کہ ہم نے بند نہیں کیا۔ اس دروازے کی طرف توجہ کرنا بہت مشکل ہے اور توجہ ہو بھی جائے تو اس کے اندر اتنے مسائل ہیں کہ یہ دروازہ آسانی کے ساتھ بند نہیں ہوتا۔ جیسے wood کے دروازے ہوتے ہیں، گرمی کا موسم آئے تو ان کی کیفیت فرق ہو جاتی ہے اور سردی کا موسم آئے تو پھر کیفیت فرق۔ جب شدت کا موسم ہو تو ان کو بند کرنا اور کھولنا، اس میں کچھ مسائل

پیدا ہو جاتے ہیں تو یہ جو دولت کا دروازہ ہے، اس کے تو مسائل جاری ہی ہیں اور دراصل اس موقع پر جس وقت انسان بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال و دولت پاتا ہے، شیطان بہت Detract کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہماری اصلاح نہیں ہوتی، اسی وجہ سے ہمارے اَخلاق درست نہیں ہوتے، معاملات درست نہیں ہوتے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دولت ہمارا حق ہے اور دولت کے جو برے اثرات ہیں ان کی طرف توجہ نہیں جاتی اور دولت کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ محسوس نہیں ہوتیں، ذمہ داریاں بڑی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"حساب کتاب کے دن غرباء امیروں سے پانچ سو برس پہلے فارغ ہو جائیں گے"۔

یعنی وہ پانچ سو برس پہلے چلے جائیں گے اگر اہلِ ایمان ہوں گے اور اس کے مقابلے اُمراء 500 سال تک حساب دیتے رہیں گے۔ دنیا میں بھی مشکل اور آخرت میں بھی یعنی ہر دو طرف اس مال کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے گھر کا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا آدھا مال؟ ایسا کیوں ہوتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے؟ جب بھی موقع آتا، دل کھول کر خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کہلائے۔ پھر آپ خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو دیکھئے آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی سے پہلے آپ ﷺ کے معاشی حالات بہت اچھے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی، مال دار خاتون تھیں تو آپ ﷺ کے حالات بہت اچھے تھے، پھر اللہ کا کام کرتے ہوئے، صدقہ وخیرات کرتے ہوئے gradually معاشی حالات بہت خراب ہو گئے لیکن آپ ﷺ کے بارے میں جب اہلِ مکہ کہتے تھے، آپ ﷺ کے دشمن کہتے تھے کہ کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ کیوں نہ

اس کو کوئی باغ دے دیا گیا؟ کیوں نہ اس کی خدمت کے لیے اَردلی بھیجے گئے کہ فرشتے آتے، لوگوں کو بتاتے یعنی کوئی پروٹوکول ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی اکثریت کو مال و دولت سے محروم کیوں رکھا؟ کیونکہ بہت زیادہ فتنہ ہے، بہت بڑی آزمائش ہے۔

مال و دولت کے حوالے سے دو باتیں ذہن میں رکھئے گا، کماتے ہوئے بھی گم نہیں ہونا، حاصل کرتے ہوئے بھی مُنعِم (دینے والے) کے احسان کو محسوس کرنا ہے۔ شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا ہے اور مال خرچ کرتے ہوئے فقط اپنا حق نہیں سمجھنا کہ جہاں جی چاہے خرچ کریں۔ مال کو اپنا مال نہیں سمجھنا ہے۔ انسان مال کو اپنا مال سمجھتا ہے جہاں سے وہ گمراہ ہوتا ہے تو مال کے بارے میں بہت Conscious، بہت Alert رہنے کی ضرورت ہے۔

دسواں دروازہ: فقر کا خوف

دسواں دروازہ ہے فقر کا خوف، غریب ہوجانے کا ڈر۔ مال کے بہت سارے مسائل ہیں لیکن مال انسان خرچ کیوں نہیں کرنا چاہتا؟ یہ ڈر ہے کہ کہیں ہمارے پاس سے مال ختم نہ ہوجائے کہ مال اگر ختم ہوگیا تو پھر جئیں گے کیسے؟ فقر کا خوف انسان کو بخیل بنا دیتا ہے۔ انسان کی مٹھی بند ہوجاتی ہے اور فقر کے خوف کی وجہ سے دل بھی بند ہوجاتا ہے۔ فقر کا خوف یہ ایسا احساس ہے جونہی انسان کو ہلکا سا اندیشہ لاحق ہوتا ہے شیطان پہلے سے دل پر آکر قبضہ کرلیتا ہے، پھر وہ سوچ دیتا ہے، پھر وہ راستے سجھاتا ہے، پھر وہ راہنمائی کرتا ہے، اُسے موقع مل جاتا ہے۔

فقر کا خوف انسان کو کب لاحق ہوتا ہے؟ جب وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا شروع کردے۔ جب جب مال خرچ کرنے لگے عین اس موقع پر انسان کے اوپر یہ کیفیت طاری ہوسکتی ہے۔ اس فقر کے خوف کی وجہ سے انسان مال جمع کرکے رکھتا ہے، گِن گِن کر رکھتا ہے اور ربّ العزت نے مال جمع کرنے والوں اور گِن گِن کر رکھنے والوں کو خوش خبری دی ہے کہ ان کے لیے وَیل ہے، ہلاکت ہے، بربادی ہے۔ ویل دوزخ کی ایسی گھاٹی کا نام بھی ہے جہاں گرنے والا چالیس برس تک گرتا رہے گا، پھر تہہ تک پہنچے گا۔ یہ مال جمع کرنے کا انجام ہے۔

انسان مال کیوں جمع کرتا ہے؟ کہ کہیں میں فقیر نہ ہوجاؤں، کہیں میں اپنی ضروریات

پوری کرنے سے رہ نہ جاؤں۔خیثمہ بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیطان کا دعویٰ یہ ہے کہ انسان مجھ پر کتنا ہی غلبہ کیوں نہ پالے، تین باتیں ایسی ہیں جن میں وہ مجھ پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتا: ایک یہ کہ کسی کا مال ناحق لینا، دوسرے یہ کہ اس مال کو بلاموقع اور بلا ضرورت خرچ کرنا، تیسرے یہ کہ جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرنا، ہاتھ روک لینا۔انسان ہاتھ کیوں روکتا ہے؟ فقیر ہو جانے کے خوف سے۔حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیطان کے پاس فقر کا خوف دلانے سے زیادہ مؤثر کوئی دوسرا حربہ نہیں ہے۔یہ شیطان کا بہت زبردست ہتھیار ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کے اندر یہ خوف آتا ہے تو رویے میں کیا تبدیلی آتی ہے؟ پہلی تبدیلی یہ آتی ہے کہ انسان حق یعنی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے نظامِ زندگی، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے سے دور ہو کر اس کے Opposite لائف اسٹائل باطل سے محبت کرنے لگتا ہے، اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے۔باطل کی طرف رغبت، یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔رغبت کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ انسان کو وہ چیز اچھی لگنے لگے، پسند آنے لگے کیونکہ جب کوئی چیز پسند آنے لگتی ہے پھر انسان اسے اپنا لیتا ہے۔

دوسری تبدیلی یہ آتی ہے کہ انسان حق سے باز رہتا ہے۔یعنی انسان کے پاس مواقع ہوتے ہیں کہ وہ حق پر قائم رہ سکے لیکن وہ حق سے دور رہتا ہے۔اس کو سمجھ بھی ہوتی ہے، پتہ بھی ہوتا ہے لیکن حق سے بھاگتا ہے، حق سے دور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔یہ سب نتائج فقر کے خوف کی وجہ سے پیدا ہونے والے نتائج ہیں۔

تیسرا نتیجہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ کہ انسان خواہشِ نفس کو ترجیح دینے لگتا ہے۔انسان کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔اب دیکھئے گا کہ ہر انسان کے لیے دو میں سے ایک کو انتخاب کرنا ضروری ہوتا ہے: یا حق، یا باطل۔اگر حق سے گریز ہے اور باطل سے رغبت ہے تو نتیجہ

کیا نکلتا ہے؟ انسان خواہشِ نفس کو ترجیح دینے لگتا ہے یعنی نفس کی خواہشات پہلی ترجیح پہ یوں ہی نہیں آنے لگ جاتیں، کچھ دروازے کھلتے ہیں تب ایک انسان اپنے نفس کو ترجیح دیتا ہے۔

چوتھی بات بہت بڑی ہے۔ انسان اپنے ربّ سے بدگمان ہو جاتا ہے۔

یوں یہ فقر کا خوف ایسا دروازہ ہے جس کے کھلنے کی وجہ سے ہلکے سے احساس کے ساتھ ہی انسان کے اندر حق سے گریز کا رویہ پیدا ہو جاتا ہے، ساتھ ہی شیطان اس کی توجہ باطل کی طرف کر دیتا ہے اور انسان خواہشِ نفس کو پورا کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے۔

آپ دیکھیں جسے فقر کا خوف ہے اس کو تو یہ چاہیے ہوتا ہے کہ مال کو صرف جمع کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے خوف کھاتا ہے لیکن دوسری طرف اگر دیکھیں تو اپنے نفس کی خواہشات میں مال لنڈھا دیتا ہے۔ کبھی آپ نے دیکھا کہ دین کی ترویج و اشاعت کے کام میں، جہاد فی سبیل اللہ کے کام میں، کسی کی غربت کو دور کرنے کا معاملہ ہو تو انسان کے ذہن میں اتنی Reasons آتی ہیں، اتنے خیالات آتے ہیں کہ دراصل فلاں بات ایسی ہے، فلاں معاملہ ایسا ہے، جن لوگوں کو ہم نے مال Handover کرنا ہے وہ لوگ ٹھیک نہیں، کام ٹھیک نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ ہم پہلے بھی تو اتنا کچھ کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک لیا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی غریب رشتہ دار کی مدد کرنے کا معاملہ ہے تو اس کے طریقۂ کار پر بحث کرنی شروع کر دی کہ ان لوگوں کا تو کام ہی ایسا ہے، اب انہیں خود بھی تو کام کرنا چاہیے، آگے بڑھ کر انسان اپنی صلاحیت لگاتا ہے تب ہی کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالتا ہے، ان لوگوں کا تو کام ہی یہ رہ گیا، ہمیشہ ہی ہاتھ پھیلائے رکھتے ہیں اور آج یہ وقت آگیا، ساری زندگی گزر گئی ہمارے ٹکڑوں پہ پل رہے ہیں یعنی اس نوعیت کے خیالات شیطان انسان

کے اندر ڈالتا ہے اور مال بچا لیا ناں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے، غرباء کی مدد کرنے سے، کسی بیوہ کی خدمت کرنے سے، کسی بچے کو پڑھانے سے، قرآنِ حکیم کی ترویج واشاعت، اس کی تعلیم کے ذرائع میں لگانے سے۔

اب وہاں سے تو بچ گئے لیکن دوسری طرف آپ دیکھئے تو مال لنڈھایا کہاں جاتا ہے؟ ادھر سے مال بچایا تھا اب دوسری طرف سوٹ خریدنے کے لیے گیا، دوسری طرف صرف کھانا کھانے کے لیے گیا، کسی کو کھانا کھلانا چاہتے ہیں ایک وقت کی ہوٹلنگ پہ کتنا مال لگ جاتا ہے! پھر آپ دیکھیں شادی بیاہ کی تقاریب ہوں یوں لگتا ہے کہ ہر چیز لٹادی۔ ہر چیز لٹا دینے کے باوجود ذرا بھی فقر کا خیال نہیں آتا۔ فقر کا خوف شیطان دلاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ (البقرہ:268)

''شیطان تمہیں فقر کا وعدہ دیتا ہے''۔ (نیکی سے روکنے کے لیے)

شعوری طور پر اسے محسوس کیجئے گا، ہمیشہ نیکی سے رکنے کے لیے فقر کا خیال آتا ہے اور بے حیائی کے لیے، دنیاوی مقاصد پورا کرنے کے لیے کوئی خیال نہیں آتا۔ یہ شیطان ہے جو فقر کا خوف دلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ شیطان کے تو سارے ہی وعدے جھوٹے ہیں اور ربّ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔

گیارہواں دروازہ: بخل

بخل کسے کہتے ہیں؟ یہ نفس کی ایک کیفیت ہے۔ایک انسان مال کو ذخیرہ کر کے رکھنا چاہے، باندھ کے رکھنا چاہے بڑھانا چاہے، خرچ نہ کرنا چاہے، مال بڑھانے کے لیے چاہے وہ ذخیرہ اندوزی کرے یا ملاوٹ کرے اور مال خرچ کرنے کے لیے اس کی مٹھی بند ہو تو یہ بخیلی ہے۔ یہ نفس کی ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو اس مقام تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ضروریات پر بھی کچھ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ اتنی بھیانک خصوصیت ہے کہ انسان پھر اپنی ذاتی ضروریات پر بھی خرچ نہیں کرتا۔ یہ Advance level کی کیفیت ہے۔ ابتدائی طور پر تو بس یہ ہے کہ انسان مال کو جمع کر کے رکھنا چاہتا ہے، ذخیرہ کر کے رکھنا چاہتا ہے۔قرآنِ مجید میں ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ:34)

''وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو ذخیرہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سنادو''۔

دو صورتیں ہمیں نظر آتی ہیں: سونے اور چاندی کو ذخیرہ کرتے ہیں، کس کے لیے؟ دنیا کے لیے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت کے دن انسان کا مال گنجے ناگ کی صورت میں اس کے سامنے آئے گا، اس کے گرد لپٹ جائے گا، دائیں طرف سے آئے گا پھر اس کے منہ کو جبڑے تک چیر ڈالے گا اور اس کو کہے گا: اَنَا مَالُکَ دوسری طرف سے آئے گا دوسرے جبڑے کو اسی طرح چیر ڈالے گا اور کہے گا: اَنَا کَنْزُکَ‘‘.

(صحیح بخاری: 1403)

میں تمہارا وہ مال ہوں جس کو تم نے خزانہ کیا، جس کی تم زکوٰۃ نہیں نکالنا چاہتے تھے، جس کو تم ربّ کے راستے میں خرچ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ مال ایسا ہے جس کے بارے میں ربّ العزت فرماتے ہیں کہ ان کے سونے اور چاندی کو تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، ان کی پیشانیوں کو داغا جائے گا۔ انسان کو ضرور اس چیز کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ جمع کرنے کا کیا نتیجہ انسان کے سامنے آئے گا؟ انسان دنیا کی محدود زندگی کے لیے سوچتا ہے کہ اس دنیا میں مجھے مال کی ضرورت ہے لہٰذا میں زیادہ سے زیادہ جمع کر کے رکھوں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخل سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟ بخل کی وجہ سے انسان حریص ہو جاتا ہے، بخل کی وجہ سے حرص پیدا ہوتی ہے اور حرص انسان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ حرص کی وجہ سے انسان اپنی نمازیں تک چھوڑ دیتا ہے۔ اس حرص کی وجہ سے انسان رات دن مصروف رہتا ہے۔ اپنی سوچیں، اپنے احساسات، اپنے جذبے، سب اپنے مال کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ سارا وقت اس کے ذہن میں ایک ہی سوچ رہتی ہے، میرا مال، میرا مال، نوا ور ننانوے کا چکر ہے، **ھل من مزید** اور بڑھا لوں، اور بڑھا لوں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’جب ابلیس دنیا میں آیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ تو نے مجھے مردود قرار دے دیا، میں تیری نظروں سے گر گیا، Reject ہو گیا، تو نے

مجھے زمین میں پھینک دیا ہے۔میرے لیے ایک گھر بنادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حمام تیرا گھر ہے(یعنی غسل خانے، Toilets)اس نے عرض کیا: میرے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ مقرر فرما دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بازار(مارکیٹس، شاپنگ پلازہ)اور چوراہے جہاں لوگ بیٹھتے ہیں وہ تیری مجلسیں (بیٹھنے کی جگہیں) ہیں۔اس نے عرض کیا: کہ میری غذا کا بھی تعین کر دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کھانا تیری غذا ہے جس پر میرا نام نہ لیا جائے۔(کھانا کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائیں تو اس کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔) پھر اس نے کہا: مشروب کا بھی تعین کر دیں میں پیوں کیا؟ تو فرمایا: نشہ آور چیزیں تیرا مشروب ہے۔شیطان نے عرض کیا کہ کوئی میرا اعلان کرنے والا بھی عطا فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام تم مزامیر سے لے سکتے ہو(میوزک سے، جہاں میوزک بجے گا تیری آمد کی اطلاع ہو جائے گی۔)اس نے عرض کیا: پڑھنے اور لکھنے کے سلسلے میں کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: فرسودہ شعر پڑھنا، بیہودہ شاعری تیرا علم ہے۔اس نے کہا: مجھے حدیث بھی عطا فرمایئے تو فرمایا: جھوٹ تیری حدیث ہے۔اس نے عرض کیا: مجھے شکار پھانسنے کے لیے جال بھی عطا فرمایئے تو فرمایا: عورتیں تیرے لیے جال ہیں"۔

(احیاء العلوم)

اس اعتبار سے اگر دیکھیں تو شیطان کی آمد کے جو راستے ہیں وہ واضح ہو جاتے ہیں۔ انسان کھانے پہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے، تو اس کے کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے، میوزک شیطان کی آمد کا اعلان ہے، آپ واش روم میں جاتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ کیوں کہتے ہیں؟ شیاطین کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔

ثبوت ہے ہمارے پاس کہ یہ شیاطین کے گھر ہیں اور اسی طرح مشروبات، نشہ آور چیزیں۔ کبھی آپ نے دیکھا کسی قسم کا نشہ کرنے والا انسان بھلائی کے دائرے میں رہتا ہو؟ مثلاً کوئی شراب پیتا ہو؟ تو شراب پینے سے اسے عین نشے کی حالت میں کیا بھلائی ملتی ہے؟ نقصان ہے۔ ہیروئن کا نشہ کرنے والے کو، چرس پینے والے کو یا کسی بھی فارم میں نشہ کرنے والے کو کہیں کوئی بھلائی ملتی ہو؟ نشہ شیطان کی آمد کا ذریعہ ہے، نشے کی حالت میں انسان مکمل طور پر شیطان کے قبضے میں ہوتا ہے، اُس کی عقل مختل ہو جاتی ہے، جب تک انسان کی عقل کام کرتی ہے پھر بھی انسان شیطان کے حربوں سے بچ سکتا ہے۔ بنیادی طور پر اگر آپ دیکھئے تو کتنے ہی ایسے مقامات ہیں جو شیاطین کے لیے بہت ہی زیادہ ترغیب دلانے والے مقامات ہیں، جہاں شیاطین آتے ہیں جیسے مارکیٹس۔

ایک اعتبار سے اگر آپ دیکھیں تو انسان خطرے میں ہے اور اس روایت کو یہاں پر ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان نے انسان کو پھانسنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے کیا کچھ حاصل نہیں کیا! جیسے انسان کو کام کرنے کی آزادی ہے اسی طرح سے شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اختیار دے رکھا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی اور وہ اپنا اختیار استعمال کر رہا ہے۔ بڑی بات ہے انسان کے قلب کی، اگر وہ قلب بخیل ہو جائے، اگر اس قلب کے اندر گھٹن پیدا ہو جائے، اگر ایک انسان کی مٹھی بند ہو جائے تو شیاطین دل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے بخل سے دور رہنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

بارہواں دروازہ: تعصب، مذہبی عصبیت

بارھواں دروازہ ہے مذہبی عصبیت، تعصّب کا۔ تعصّب بھی وہ جو مذہب کی وجہ سے ہو۔ آپ نے کبھی محسوس کیا ہے کہ ہماری سوسائٹی کتنے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے؟ یہ اتنے ٹکڑوں میں کیسے بٹ گئی؟ اور یہ فرقہ بندی، یہ تعصب انسان کو کیا دیتا ہے؟ کیا یہ فرقہ بندی ربّ سے جوڑنے میں مفید کردار ادا کرتی ہے یا یہ انسان کا تعلق رحمان کی بجائے شیطان سے جوڑ دیتی ہے؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک انسان جس چیز کو نیکی کا کام سمجھ رہا ہو، جس کو اپنے لیے سب سے زیادہ ضروری خیال کر رہا ہو وہی چیز انسان کو ربّ سے دور کرنے میں مفید کردار ادا کر رہی ہے۔

مذہبی تعصب کیا ہے؟ ایک چیز کو اچھا سمجھنا اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کو برا سمجھنا۔ ہمارے یہاں جو فرقہ بندی ہے، لوگ جو مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں کئی اعتبار سے، جیسے آپ دیکھیے کوئی حنفی ہے۔ حنفی مکتبۂ فکر کے دو بڑے گروہ ہیں، ایک فرقہ ہے دیوبندیوں کا اور دوسرا ہے بریلوی۔ اسی طرح شافعی مسلک ہے اور اسی طرح حنبلی۔ ہمارے ہاں حنبلی مسلک نہیں ہے لیکن بہر حال دنیا میں یہ مسلک پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مالکی فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ پھر اسی طرح سے کچھ لوگ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت کرنے والے ہیں، کچھ لوگ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں جان دینے کو جنت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ دیکھیں تو ہمارے یہاں مزید بھی فرقہ بندیاں موجود

ہیں۔

اگر دیکھیں تو فرقہ بندی میں کیا ہوتا ہے؟ تعصب کا دروازہ جب کھلتا ہے تو انسان کی سوچیں کس نوعیت کی ہوتی ہیں؟ تعصب کی وجہ سے انسان دور کس چیز سے ہوتا ہے؟ اس سے انسان کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟ مثال کے طور پر دیکھیں کہ جتنے مختلف فرقے ہیں، ان کے لیے جتنے مدارس بنے، آپ ان کے Syllabus کو دیکھیں، آٹھ برس یا اس سے کم جتنے عرصے میں بھی یہ تعلیم دی جاتی ہے تو کیا چیز ہے جو پڑھائی جاتی ہے؟ جانتے ہیں سب سے زیادہ وقت کس پر لگایا جاتا ہے؟ فقہی اختلافات پر۔ جتنے ہمارے آئمہ کرام تھے، روشن ستارے تھے، واللہ! متقی اور نیک انسان تھے، انہیں صحیح حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے کو واپس لیتے ہوئے کبھی تکبر لاحق نہیں ہوتا تھا لیکن اگر وہ اپنی تقلید کرنے والوں کو دیکھتے تو اپنے آپ کو ان سے بری الذّمہ قرار دیتے کہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

تقلید کے کس مقام پر آج سب لوگ پہنچ چکے! خود کو درست سمجھتے ہیں اور دوسرے افراد کے ساتھ Misbehave کرتے ہیں۔ کہاں تک؟ ایک خاتون مجھے کہتی ہیں میرا بیٹا مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا تو مسجد کسی اور فرقے کی تھی، پڑھنے والا کسی اور فرقے سے تعلق رکھتا تھا، نام نہیں لینا چاہتی اس لیے کہ اس سے بھی تعصب کو ہوا ملتی ہے، جِلا ملتی ہے۔ ماں نے قرآنِ حکیم سیکھنا شروع کیا، صلوٰۃ کے مقام کا پتہ چلا، باجماعت نماز کی فضیلت کے بارے میں پتہ چلا تو بچے کو محبت میں مسجد بھیجا۔ اب مسجد والوں نے پہلے برا بھلا کہا، گالیاں دیں۔ مسجد کے امام صاحب نے پھر اپنے اہل کاروں کو بلوایا اور تپتی دھوپ میں اس بچے کو باہر نکال دیا، پھر مسجد دھوئی گئی۔ مجھے یہ بتائیے یہ سارے کام رحمان کے حکم سے ہوئے یا شیطان آیا تھا؟

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر پہ لڑائیاں ہوتی ہیں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک ہی

علاقے کے اندر ایک مسجد میں بات کرتے ہیں تو دوسری طرف سے جواب آتا ہے۔ بیچ والے بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیا دھماکے ہوتے ہیں؟ کچھ نہیں پتہ چلتا کہ یہ کیا سلسلہ چل رہا ہے؟ اور آپ دیکھیں اس بنیاد پر لوگ اللہ کی کتاب سے دور ہو گئے۔ فلاں ہمارے مسلک کا ہے، فلاں ہمارے مسلک سے نہیں ہے۔ جو قرآنِ حکیم پڑھانا چاہتا ہے اس سے پوچھتے ہیں آپ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ ہم مسلمان ہیں تو ایک ہی سوال کہ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کا مسلک کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو مسلک کا حکم نہیں دیا: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ "اس نے تو تمہارا نام مسلمان رکھا"۔ ہم مسلمان ہیں۔ پھر وہی سوال کہ یہ کوئی بات نہیں ہے، پہلے آپ یہ بتائیں آپ پیروکار کس کے ہیں؟ جواب دیا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے تو کہیں گے: نہیں آپ یہ بتائیں آپ کس امام کے پیروکار ہیں؟ اگر جواب یہ دیا جائے کہ سارے ائمہ ہمارے لیے تو چمکتے ستاروں کی طرح ہیں ان کی جو بات بہتر ہوگی وہ ہم قبول کریں گے اور جو بات بہتر نہیں ہوگی وہ ہم کسی کی بھی صورت قبول نہیں کریں گے، جو بھی قرآن وسنت سے مختلف نظر آتی ہوگی تو اس کو قبول نہیں کریں گے تو جواب آئے گا: آپ ضرور وہابی ہیں لہٰذا آپ کی بات ہم نہیں مان سکتے۔

کون ہے پیچھے؟ علم والے ہیں ناں جو کہتے ہیں ان کی بات نہ سنو، وَالْغَوْا فِيْهِ، یہ بات تو اہلِ مکہ کہا کرتے تھے۔ یہ قرآن نہ سننا، جب سنایا جائے تو شور مچا دینا، اس فرقہ بندی کی وجہ سے کتنے مسائل پیدا ہو رہے ہیں؟ بھائی بھائی سے کٹ رہا ہے۔ ایک اللہ ہے، ایک رسول ہے جس کی پیروی کرنی ہے، پھر کیوں انسانوں کو انسانوں سے کاٹ رہے ہیں؟ اگر ایک مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ بات ٹھیک ہے یا غلط ہے؟ لیکن محض اس بنیاد پر صحیح حدیث کے مقابلے میں بھی ایک بات کو جاری رکھیں گے کہ ہمارے مکتبۂ فکر میں یہ بات ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو پہلی ترجیح پہ رکھا تھا یا

کسی امام کو؟ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا درجہ بڑا ہے یا کسی امام کا؟ ترتیب ہے ناں! پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، پھر اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے، پھر آئمہ کرام ہیں لیکن کیا ایک امام کی پیروی کرنا ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم دوسرے کی سچی بات کو بھی نہ مانیں؟ یہ بات درست نہیں ہے۔ ہمارے لیے آئمہ کرام کی جو حیثیت ہے وہ روشن ستاروں کی ہے، ہم نے ان سے guide line لینی ہے لیکن تب جب ہمیں قرآنِ حکیم سے نہیں ملے گی یا سنتِ رسول ﷺ سے نہیں ملے گی۔ اگر ہمیں وہاں سے guide line ملے گی اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہے تو ہم کسی اور سے رہنمائی کیوں لیں؟ کیوں پیچیدگیوں میں پڑیں؟ ہمیں پیچیدگیوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔

پھر آپ دیکھیں کہ آج کے دور میں اور بھی تعصب ہیں۔ فلاں مدرسے سے پڑھتے ہوئے ہیں، فلاں School of Thought سے آپ کا تعلق ہے، فلاں استاد سے آپ نے پڑھا۔ اگر سچا علم کسی سے مل رہا ہے تو تعصب کا ہے کا؟ اگر کوئی سچا علم دے رہا ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر اس کی بات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر مبنی ہوتی ہے تو اس کے علم کو قبول کیا جائے گا، خواہ بتانے والا کوئی بھی ہو۔ اسی طرح آپ دیکھیں Political پارٹی کا تعصب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح مذہبی جماعتوں کا تعصب ہے۔ کتنی طرح کے تعصب میں ہم گھر گئے!

یہ تعصب جس دل کے اندر پیدا ہوتا ہے وہاں شیطان آ جاتا ہے۔ انسان کہتا ہے میں تو نیکی کا کام کر رہا ہوں جب میں نے کہا فلاں چیز درست ہے فلاں نہیں۔ مثال کے طور پر آپ دیکھیں اتنے چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں، فرض کریں سورۃ الفاتحہ کے بعد نماز میں آمین کہنے کی فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے اور اونچی آواز سے کچھ لوگ آمین کہتے ہیں تو آپ کی طبیعت کیوں بگڑتی ہے؟ اور فرض کریں کہ کچھ لوگ نہیں کہتے تو باقیوں کی

طبیعت کیوں خراب ہوتی ہے؟یعنی اس معاملے میں اوپن کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ ٹھیک ہے جو کہہ رہے ہیں وہ اجر پا رہے ہیں، جونہیں کہہ رہے اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہ کام نہ کرنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا تو سمجھانا اور بتانا ایک دو دفعہ کافی ہے۔اس بنیاد پر مسجدیں الگ کر لینا،اس بنیاد پر لوگوں کے درمیان اتنا گہرا تعصب پیدا ہو جانا کہ نیکی کی بات فلاں شخص سے سنی ہی نہیں، یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔اسی طرح رفع یدین ہے، عورتوں کی نماز میں سجدہ کرنے کا مسئلہ ہے۔پھر اسی طرح سے کچھ اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں جن کی وجہ سے آپس میں گالی گلوچ ہوتی ہے، قتل وغارت گری ہوتی ہے، ایک دوسرے کو صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ مجھے یہ بتائیے کہ یہی وہ اسلام تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودیوں کے اکہتر فرقے تھے نصاریٰ کے بہتر تھے اور آپ ﷺ نے پیشن گوئی کی تھی کہ مسلمانوں کی تہتر فرقے ہوں گے۔

آپ جانتے ہیں فرقہ بندی کا اصل کردار کیا ہے؟ اصل سے انسان کی توجہ ہٹا دیتا ہے۔سب سے پہلا فرق یہ پڑتا ہے کہ انسان قرآنِ حکیم سے دور ہو جاتا ہے، سنت سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کچھ اور چیزوں کو اہمیت دیتا ہے۔ ذہن کا رخ ایسا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان کسی اور کی بات کو اہمیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔تعصب اتنی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے سچ سچ نہیں دِکھتا، بات کڑوی لگتی ہے، بری لگتی ہے اور انسان بڑے سے بڑے فائدے کو ignore کر دیتا ہے۔اس کی وجہ سے انسان خیر کی بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر ہم دیکھیں کہ مذہبی عصبیت اگر بنیادی طور پر پیدا ہو تو دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ شیطان Govern کرتا ہے۔ایسے دل کو شیطان Order دیتا ہے اور انسان اس کے

Order کے تحت Act کرتا ہے۔ اپنے دل کو اس گندگی سے بچانا ہے، اس تعصب سے بچانا ہے کیونکہ یہ تعصب شیطان کی آمد کا ذریعہ ہے۔ اس تعصب میں مبتلا نہیں رہنا انشاء اللہ تعالیٰ اور تعصب خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو، اس لیے کہ انسان تو محسوس کرتا ہے کہ میں اگر اپنے مسلک کا دفاع کر رہا ہوں تو میں دینی Struggle کر رہا ہوں حالانکہ وہ دین کو توڑنے میں مصروف ہے، دین کی بنیادیں ڈھانے میں مصروف ہے اور اصل میں شیطان یہ چاہتا ہے کہ مسلمان فرقے فرقے ہو جائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران:103)

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقے بازی کا شکار نہ ہونا''۔

ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جانا۔ اسلام تو ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے لوگوں کو جوڑنے کے لیے آیا تھا، جو کسی بھی بنیاد پر کٹے تھے۔ آج پھر علم کی بنیاد پر تعصب کی بنیاد پر انسانوں کو ایک دوسرے سے کاٹ کر دکھ دیا گیا تو تعصب کی وجہ سے جو رویے انسان کے اندر دَر آتے ہیں وہ یہ کہ انسان جھوٹ بولتا ہے، تعصب کی وجہ سے انسان گالی گلوچ کرتا ہے، اس کے ذہن کا سانچہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے، وہ بدگمانی میں مبتلا ہوتا ہے، انتقام لیتا ہے، قتل و غارت گری کرتا ہے اور دوسرے انسانوں کا رشتہ ربّ سے کاٹ کر شیطان سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ تعصب تو سراسر شیطان کی سازش ہے۔ اس تعصب سے اپنے آپ کو بچانا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نافرمانیوں کو بنا سنوار کر پیش کیا تو انہوں نے استغفار کے ذریعے سے میری کمر توڑ دی یعنی نافرمانی کا راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اس کے بعد میں نے ایسے گناہ آراستہ کیے جن سے وہ استغفار نہیں کرتے۔ یہ گناہ خواہشاتِ نفسانی ہیں''۔ (احیاء العلوم)

شیطان نے یہ بات ضرور سچی کہی ہے کہ لوگوں کو ان امور میں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہم گناہ کررہے ہیں، ہم غلطی کررہے ہیں اور اس طریقے سے استغفار کا موقع ہی نہیں مل پاتا، استغفار کرنے کا انسان سوچتا ہی نہیں۔

حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں مصروف تھے۔شیطان نے انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ پھر اس نے ایک اور کام کیا، قریب بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کو آپس میں تکرار کرنے پر مجبور کیا اور ہوا یہ کہ وہ آپس میں لڑ پڑے۔ ذکر کرنے والے حلقے سے کچھ لوگ اٹھے اور ان کے درمیان صلح صفائی کرانے کی کوشش کی اور شیطان کامیاب ہوگیا۔ اصل میں شیطان کا مقصد کچھ اور تھا، وہ ان لوگوں کو آپس میں لڑوانا نہیں چاہتا تھا لیکن ذکر کرنے والوں کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑنے والوں کو الگ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے دوسروں کو اُلجھا دیا جس کی وجہ سے نیکی کا کام ختم ہوگیا۔ یوں شیطان انسان کے لیے سازش کرتا ہے۔

تیرھواں دروازہ: فلسفیانہ بحثیں

شیطان کی آمد کا اگلا راستہ فلسفیانہ بحثوں میں الجھانا ہے یا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفیانہ بحثیں شیطان کی آمد کا دروازہ ہیں، شیطان کو راستہ دیتی ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فلسفیانہ بحثیں کس نوعیت کی ہوتی ہیں؟ یہ کون لوگ کرتے ہیں؟ عام طور پر یہ بحثیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس دین کا علم نہیں ہوتا اور وہ دین کے بارے میں بیٹھ کے خیال آرائیاں کرتے ہیں۔اب اگر آپ اسے دیکھیں کہ یہ راستہ شیطان کے لیے کیسے مفید ثابت ہوتا ہے؟ کس طرح سے لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں؟

مثلاً کچھ لوگ ہیں جو پردے کے بارے میں بیٹھ کر بحثیں کرتے ہیں: **ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ**. ڈسکشن کا سلسلہ ہو رہا ہے، ٹی وی پروگرام ہو رہے ہیں اور ڈسکس کون افراد کر رہے ہیں؟ جن کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا Properly علم بھی نہیں ہے، سکالرز نہیں ہیں صرف چند باتیں پڑھی ہیں اور ذہن ان کا الٹے رخ پہ چلا گیا، اب بیٹھ کے اپنی طرف سے بحثیں کیے جا رہے ہیں۔اپنی طرف سے بیٹھ کے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے لیے انہوں نے راستہ نکال دیا کہ دین میں تو اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں، دین تو حکم ہی نہیں دیتا کہ آپ چہرہ ڈھانپو، آہستہ آہستہ کہیں گے کہ دین سر ڈھانپنے کا حکم بھی نہیں دیتا اور پھر یہی لوگ اکٹھے رہے تو یہ لوگ کہیں گے کہ دین جسم ڈھانپنے کا بھی حکم نہیں دیتا۔Gradully شیطان تو اسی طرف لے کے آتا ہے ناں جیسے سورۃ الاعراف میں آیا کہ اے بنی آدم! ہم

نے لباس کوتمہارے لیے زینت کا اور آرائش کا ذریعہ بنایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تم پر سے بھی اسی طرح لباس اتروادے جیسے تمہارے باپ دادا سے اتروادیے تھے۔

فلسفیانہ بحثیں آپ آج کل بہت محسوس کرتے ہوں گے مثال کے طور پر پہلے تو یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے اپنی اپنی جگہوں میں، آج کل ٹی وی پروگرامز کے ذریعے سے سب کے ذہن خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مثلاً کوئی پروگرام علم کے نام پر پیش کیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علمِ وحی سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا اور اس پروگرام کے توسط سے وحی کے علم کو Deny کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس میں یہ ابہام ہے اور اس میں یہ پرابلم ہے اور دراصل دین یہ ہے اور آج کے دور میں ہم اس کو دین کے طور پر قبول کر سکتے ہیں۔ کسی ایک معاملے میں نہیں، فلسفیانہ بحثوں کا سلسلہ 24 گھنٹے جاری رہتا ہے۔

میں فلسفے کے لفظ کی وضاحت کرتی چلوں۔ آپ یہ دیکھئے کہ جیسے کچھ Question answer sessions ہوتے ہیں، پوچھے ان لوگوں سے جاتے ہیں جنہیں خود پتہ نہیں، جب پوچھا جاتا ہے، پھر اس کے اوپر ڈسکشن ہوتی ہے، پھر جب جواب آتا ہے تو لوگوں کا ذہن خراب ہوتا ہے اور موڈ بھی خراب ہوجاتا ہے۔ جیسے میں نے Observe کیا، یونیورسٹیوں میں آج کل لوگ بیٹھ کے religion پر آپس کی بات چیت کرتے ہیں۔ جنت اور دوزخ پہ بات چیت ہورہی تھی تو کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ، یہ تو کوئی Concept ہی نہیں۔ میں یہ بات اس لیے سامنے رکھ رہی ہوں کہ آپ کو پتہ لگ جائے کہ کس طرح سے ذہن خراب ہوتے ہیں! ان کے کہنے کے مطابق یہ تو ایسے ہی ہے محض لالچ دینے کے لئے جنت کی بات کی گئی ہے اور ڈرانے کے لیے جہنم کی ورنہ اصلاً کچھ بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے، باقی سب مولویوں کی باتیں ہیں۔

اسی طرح سود کے مسئلے پر آپ دیکھئے کہ آپس میں بات چیت وہ افراد کرتے ہیں جو

دراصل سودی نظام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں لہٰذا ایسے سودی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے ایسے دلائل نکالے جاتے ہیں جن سے ایک آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہی حق ہے۔

اسی طرح معاشرتی حوالوں سے جو بات چیت کی جاتی ہے تو لوگ آج ان لوگوں سے دین کے متعلق پوچھنے لگ گئے، علم ان سے حاصل کرنے لگ گئے جو دراصل دین کو نہیں جانتے۔ دین کے بارے میں کوئی بھی زبان کھولے، اسی کو عام افراد سمجھتے ہیں کہ شاید یہی علم رکھنے والے ہیں۔ لہٰذا دین کی صورت بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے اور یہ کوشش کامیاب بھی ہے۔ ہر دور میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ جیسے کبھی تقدیر کا مسئلہ سامنے رکھ دیا، کبھی خلقِ قرآن کا مسئلہ سامنے رکھ دیا، کبھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے بارے میں بتایا کہ

''شیطان تم میں سے کسی کے پاس آکر پوچھتا ہے تجھے کس نے پیدا کیا؟ اور وہ جواب دیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے۔ وہ پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اگر تم میں سے کسی کو یہ حالت پیش آئے تو اسے کہنا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا آمنت باللہِ ورسولہٖ اگر وہ کہہ دے تو اس سے اس کا وسوسہ ختم ہو جائے گا۔''

یہاں سے خاص بات نوٹ کیجئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے علاج کرنے کے لیے بحث کرنے کے لیے نہیں کہا۔ جیسے ایک گیارہ سال کی بچی نے جو امریکہ سے آئی ہے کہا کہ میرے دل کو یقین نہیں آتا جیسے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے موجود تھا۔ میں یہ کہتی ہوں کہ اللہ سے پہلے کیا تھا؟ اس سے پہلے کیا تھا؟ میں اس بارے میں Confusion میں مبتلا ہوں تو بنیادی طور پر اس کے ذہن میں Confusion کہاں سے پیدا ہوئی؟ جس سکول میں وہ بچی پڑھتی ہے اس سکول میں اس کے نظریات کو خراب کرنے کے لیے کوئی

ایک چیز اس کے ذہن میں ایسی ڈالی گئی کہ اب وہ کسی بھی چیز سے مطمئن نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اس سے کہا یہ بتاؤ کہ ایک سے پہلے کیا آتا ہے؟ کہتی ہے زیرو تو میں نے کہا: یہی تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر ایک سے پہلے زیرو آسکتا ہے، اسے تسلیم کرتی ہو تو یہ کیوں نہیں تسلیم کرتیں کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ بچی سے میں نے بات کی کہ آپ کے سکول میں کیا پڑھایا جاتا ہے؟ بات christianity تک آئی۔ بچی نے کہا دیکھیں میری عیسائی فرینڈز ہیں تو میرے ذہن میں آتا ہے کہ اگر اللہ ایک ہوسکتا ہے تو وہ تین بھی تو ہوسکتے ہیں اور تین کی بات پہ وہ بے حد خوش تھی، بے حد مطمئن۔

جہاں جہاں بھی لوگ رہتے ہیں، جہاں جہاں بھی یہ معاملات ہوتے ہیں کچھ نہ کچھ چیزوں میں لوگوں کا ذہن الجھا دیا جاتا ہے۔ جیسے آپ دیکھیں میری بیٹی نے مجھے بتایا ہے کہ جب میری کلاس فیلوز سے ٹیچر نے یہ بات کہی کہ بسنت ہمارا تہوار نہیں ہے اور کسی طرح سے یہ طریقۂ کار درست نہیں تو ایک بچی اٹھی اور کہنے لگی کہ یہ ہمارا تہوار ہے، یہ کسی اور کا تہوار نہیں ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا زیادہ Convince کیا گیا کہ یہ مذہبی نہیں، موسمی تہوار ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ ذہن تو خراب ہوگیا۔

یہ وہ موقع ہوتا ہے جب ذہن الجھتے ہیں تو پھر شیطان دَر آتا ہے۔ اصل سے ہٹ کر انسان کے دل کے اندر صرف شیطان کے لیے جگہ بنتی ہے تو یہ شیطان کے آنے کے دروازے ہیں، چاہے عقیدے کے حوالے سے انسان کے ذہن کو خراب کیا جائے، عبادت کے حوالے سے، معاملات کے حوالے سے خراب کیا جائے یا کچھ ذمہ داریوں کے حوالے سے یا پھر لائف سٹائل کے حوالے سے، جہاں کہیں بھی ایسی Confusion پیدا کی جاتی ہے، یہ بنیادی طور پر شیطان کی موجودگی کا اظہار ہے کیونکہ ایک بات ہی صرف ذہن کے

اندر نہیں آئی، شیطان بھی چلا آیا اور جب شیطان آتا ہے تو وہ قبضہ کر لیتا ہے، پھر انسان کو ادھر ادھر نہیں ہونے دیتا۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے باجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہو چکے! آپ دیکھئے کتنے طریقے کے ساتھ مسلمان دوسروں کے تہوار کو قبول کرتے جا رہے ہیں! مثلاً پہلے تو بات بسنت تک تھی، اب Valantine,s day کو مسلمانوں نے قبول کیا اور اب کرسمس کو۔ کرسمس کا موقع جب آتا ہے تو Happy christmas کے Messages بھیجے جاتے ہیں اور یہ بات ہمارے چھوٹے بچوں young generation میں تو راسخ ہو گئی، انہوں نے تو اسے قبول کر لیا۔

ننھے ذہن جب ان کو قبول نہیں کرتے تو انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ اس میں تعصب نہیں رکھنا چاہیے اور یہ تو ایک تہوار ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا موقع ہے اور ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ہیں اور ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مبارک باد دے رہے ہیں۔ اب یہ بات ایسی ہے جہاں ذہن نے قبول کر لیا اور یہ جو اندر Reasoning ہوئی ہے کس کی وجہ سے؟ شیطان کی آمد کی وجہ سے۔ شیطان کی آمد کی وجہ سے راستے کھلتے ہیں اور پورا لائف اسٹائل تبدیل ہو جاتا ہے، ایک ایک بات کی وجہ سے۔ جہاں ایک غلط بات انسان کے ذہن میں آتی ہے شیطان بھی ساتھ آیا اور اس نے پکا کر لیا، انسان کو پختہ کر دیا اور انسان پھر اس چیز کو قبول کر لیتا ہے، اس چیز کو اختیار کر لیتا ہے اور یوں شیطان کو انسان کا رخ موڑنے میں کامیابی ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کا رخ کسی اور جانب موڑ دیتا ہے، دنیا کی جانب موڑے تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو رخ ہٹ گیا۔ اگر وہ ایک مسلمان کا رُخ قبلہ کی بجائے واشنگٹن کی طرف موڑ دے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو رخ ہٹ گیا۔ یوں یہ شیطان یہ طریقہ کار جاری رکھتا ہے۔

کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے جس کے پاس دین کا سچا علم، Authantic علم

نہیں ہے اور اس نے باقاعدہ علم حاصل نہیں کیا کہ وہ مذہبی بحث کے حوالے سے زبان کھولے، اس کے اوپر ڈسکشن کرے اور اس کے بارے میں تو علماء اتنی سخت بات کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر چوری کر لیتا ہے تو یہ چوری کر لینا اتنا بڑا جرم نہیں ہے جتنا بے علم کا یا دین کا علم نہ رکھنے والے کا دین کے معاملے میں زبان کھولنا بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ زنا کرنا کتنا بڑا گناہ ہے لیکن دینی معاملات پر زبان کھولنا اس سے بڑا گناہ ہے، بہت بڑا گناہ ہے اور بہت بڑا جرم ہے کہ علم نہ ہونے پر انسان دینی معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔

دینی معاملات کے فیصلے کرنے کو سچے علماء پر چھوڑنا چاہیے۔ عام افراد کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور میں تو سوچتی ہوں کہ اب تو چینل بھی اسی حوالے سے کھولے جا رہے ہیں کہ وہ افراد اٹھ اٹھ کر ڈسکشن کریں جن کو دین کا علم نہیں ہے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے! اس کو ہم نے دیکھا یہ شیطان کی آمد کے راستے ہیں تو کتنے ہی چینلز ہیں جو شیطان کی آمد کے راستے بن گئے، کبھی کسی استخارے کے نام پر، کبھی کسی اور پروگرام کے نام پر۔ یہ دراصل شیطان کی آمد کے راستے ہیں اور ان راستوں سے ضرور بچنا چاہیے۔

چودھواں دروازہ: بدگمانی

شیطان کی آمد کا ایک راستہ ایک اور دروازہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی کیا ہے؟ برا خیال! برا خیال ایسے انسان کے ذہن میں آتا ہے کہ اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ چپکے سے۔

؎ جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم

ایسے غیر محسوس کہ پتہ ہی نہیں چلتا انسان کو۔ بہت زیادہ انسان alert نہ ہو تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ میرے ذہن میں کسی کے بارے میں برا خیال گزر گیا۔ انسان برا خیال گزرنے کو برا خیال بھی نہیں کرتا کہ یہ تو میری سوچ تھی، سوچ پہ کون سا پکڑ ہونی ہے؟ اور شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوچوں پر پکڑ نہیں رکھی لیکن کیا یہ رب کا حکم نہیں ہے؟

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات:12)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کثرت سے گمان کرنے سے گریز کرو اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

برے گمان گناہ ہیں۔ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے بارے میں برا خیال آنے کی اجازت دے دیتا ہے یا اپنے ذہن کو open کر دیتا ہے کہ یہاں سے برا خیال گزر جائے تو دراصل اس نے اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں اس خیال کو اجازت نہیں دی، شیطان کو اجازت دی ہے کہ آؤ اور آکر کرو شکار مجھے۔ بدگمانی بہت بڑا دروازہ ہے، main gate سمجھ لیں جہاں سے شیطان حملہ آور ہوتا ہے۔ پھر آپ دیکھئے کہ جس وقت انسان

بدگمانی کرتا ہے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہوتا ہے؟ ایسے ہی جیسے ایک چھوٹے سے سوراخ سے آگ کا ایک شعلہ ہے جس نے دل کے اندر جگہ بنانے کی کوشش کی۔ اگر اسے تھوڑی سی جگہ مل گئی تو اس شعلے نے پورا دل جلا کے رکھ دینا ہے اور کچھ بھی باقی نہیں بچنا، اس لیے کہ یہ شعلہ انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ انسان سوچتا ہے، کھولتا ہے، پھر اس کے اوپر مصروفِ عمل رہتا ہے۔ پھر اس کے اعصاب ٹوٹتے ہیں، وہ موقع پاتے ہی پیٹھ پیچھے غیبت کرتا ہے، سامنے کوئی آئے تو طعنہ دیتا ہے۔ ایک بار برے خیال کو جگہ دینے سے پھر انسان بچ نہیں پاتا۔

انسان کے اندر برا خیال کیسے جگہ بناتا ہے؟ بس یونہی کہ ایک انسان alert نہ ہو، Conscious نہ ہو، ایک بار اگر وہ سلسلہ روکتا نہیں ہے تو بس جگہ بن جاتی ہے اور جگہ بن جائے تو شیطان اگلا کام پھر خود کر لیتا ہے۔ اس کا رزلٹ کیا نکلتا ہے؟ مثال کے طور پر آپ نے ایک برے خیال کو جگہ دے دی، آپ کو کسی سے بدگمانی ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان دوسرے کی عزت نہیں کرتا۔ دل میں اس کی عزت نہیں رہتی، تعظیم اٹھ جاتی ہے، پھر انسان دوسرے کا حق ادا نہیں کرتا، دوسرے کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے، حقیر سمجھتا ہے، اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے، دوسرے کی غیبت کرتا ہے، چغلی کرتا ہے، دوسرے کو طعنے دیتا ہے، حسد کرتا ہے، اور پھر اس کو Let down کرنے کی، اس کی عزت خراب کرنے کی ہر جگہ ہی کوشش کرتا ہے۔ اس پر الزامات عائد کرتا ہے، بہتان لگاتا ہے، یعنی جو اس سے بن پڑتی ہے پھر وہ کرتا چلا جاتا ہے۔

بدگمانی شیطان کا بہت بڑا ہتھیار ہے، بدگمانی سے انسان کا دل خراب کرتا ہے، دل بدگمانی سے سب سے زیادہ سیاہ ہوتا ہے۔ ایک برا خیال، چپکے سے آجانے والا خیال۔ ایسی بات نہیں ہے کہ انسان اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ انسان اگر بدگمانی کو برا خیال کر لے تو برے

خیال کے بارے میں alert ہو جاتا ہے۔ ہر خیال انسان کے دل پر دستک دیتا ہے۔ اندر آنے کی اجازت انسان اسے خود دیتا ہے۔ انسان اس سوچ کو، اس خیال کو enjoy کرتا ہے، اسے سوچتا ہے، اس پر غور وفکر کرتا ہے، پھر وہ خیال ذہن کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ اب اگر چپک جانے والی اسٹیج پہ کوئی خیال پہنچ گیا، بدگمانی پہنچ گئی، اب اس کو نکالنا بہت مشکل ہے، اب بہت Effort کرنی پڑے گی۔ کتنا سادہ سا طریقہ ہے کہ جب خیال دل پہ دستک دیتا ہے تو آپ اسے اندر آنے کی اجازت نہ دیں، آپ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیں، اسی وقت لاحول والاقوۃ الا باللہ پڑھ لیں، اللہ تعالیٰ ہی شیطان کی چالوں سے بچانے والا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تہمت کی جگہوں سے بچو۔ نبی ﷺ بھی تہمت سے احتراز فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں معتکف تھے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اتفاق سے میں حائضہ ہوگئی۔ جب شام ہوئی تو میں واپس چلی، آپ ﷺ بھی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ راستے میں دو انصاری مرد نظر آئے، انہوں نے سلام کیا اور ایک طرف کو ہو گئے۔ آپ ﷺ نے وہیں سے آواز دی اور فرمایا: یہ صفیہ بنتِ حیی رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں آپ سے خیر کا گمان ہے۔ انہوں نے فرمایا: تم صحیح کہتے ہو لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، اس سے مجھے خیر کا کوئی گمان نہیں ہے۔ اصل میں شیطان انسان کا دل خراب کرتا ہے، اس میں برا خیال القاء کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں شیطان آپ کو بہکا نہ دے اسی لیے میں نے واضح کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے بدگمانی کے پیدا ہونے کا راستہ روک دیا، کیسے؟ کہ کسی کے ذہن میں برا خیال آسکتا تھا، آپ ﷺ نے پہلے

سے وضاحت کردی کہ دراصل میرے ساتھ میری بیوی ہے۔

ایک ہے خود بدگمان ہونا اور دوسرا ہے دوسروں کو بدگمانی سے بچانا۔ اکیلے باہر آنے جانے کی وجہ سے، پھر اسی طرح سے اوقات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے، کوئی بھی ایسی بات، کوئی بھی ایسا معاملہ جہاں کسی کے دل میں برا خیال آسکتا ہو، وہاں انسان اپنے آپ کو بھی بچائے، دوسرے کو بھی بچائے، Clarification ضروری ہوجاتی ہے۔ تہمت کی جگہوں سے بچنے سے یہی مراد ہے۔

تہمت کی جگہیں بدگمانی کی جگہیں ہوتی ہیں، ان مقامات سے بچنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ جہاں دوسرے کا ذہن خراب ہوسکتا ہو، وہاں وضاحت بہت زیادہ ضروری ہے اور اگر وہ طریقہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا ہے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ بدگمانی نہ دل کے اندر لے کے آنی ہے، نہ دوسروں کو موقع دینا ہے کہ وہ بدگمان ہوں۔ یہ بات بہت باریک سی ہے کہ دوسروں کو بدگمان ہونے کا موقع نہیں دینا۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے دوسروں کو بدگمانی سے بچانا۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو دین پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مصروفِ عمل ہیں، دین کی دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں تو لوگوں کو ہم سے اچھا گمان ہی رکھنا چاہیے، Expections ہیں کہ لوگوں کو اچھا گمان رکھنا چاہیے تو ذہن میں رکھیے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑا کام کوئی نہیں کر رہا۔ اگر رسول اللہ ﷺ اپنی گواہی دے رہے ہیں تو باقی افراد کو بھی Conscious رہنا چاہیے، بدگمانی کے مواقع پیدا نہیں کرنے چاہئیں۔ لہٰذا اپنے کام پر بھروسہ نہیں اپنے عمل کی طرف دیکھنا چاہیے کہ کہیں میرے عمل سے دوسرا بدگمانی میں مبتلا نہ ہوجائے۔ ان بدگمانیوں سے بچانا چاہیے۔ کسی شاعر نے کہا ہے عربی شعر کا ترجمہ سامنے رکھنا چاہتی ہوں:

''خوشی کی آنکھ ہر عیب کے لیے ایسی ہے جیسے رات ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے

لیکن ناراضی کی آنکھ سارے عیب کھول کر رکھ دیتی ہے‘‘۔

انسان جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اسے بڑے سے بڑا عیب بھی نظر نہیں آتا اور جب انسان کسی سے ناراض ہوتا ہے تو چھپی ہوئی باتیں بھی یوں کھول کھول کر سامنے رکھتا ہے۔ جہاں انسان ایک دوسرے سے خوش ہوتے ہیں، Ignore کرتے رہتے ہیں لیکن جیسے ہی ہلکی سے ناراضی ہوئی، یوں ابل ابل کے ناراضیاں سامنے آتی ہیں۔ لہٰذا اپنی طرف سے کسی کو بدگمان ہونے کا موقع نہیں دینا چاہیے اور دوسری بات یہ ہے کہ مکھی کی فطرت ہے کہ ہمیشہ گندگی پر بیٹھتی ہے۔ جہاں کہیں کسی میں خرابی بھی نظر آئے، بدگمانی کا موقع بھی ہو تو اپنے آپ کو بدگمانی سے بچانا چاہیے، ہمیشہ دوسروں کے عیوب پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہیے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

’’مجھے اگر کسی کے بارے میں بدگمانی ہونے لگے تو میں ستر بار اپنے آپ کو Convince کرتا ہوں کہ نہیں بات ایسی نہیں، ہوسکتا ہے یہ بات ہو اور اگر پھر بھی مجھے سمجھ نہ آئے تو میں کہتا ہوں ہوسکتا ہے مجھے سمجھ ہی نہ آئی ہو یعنی پھر بھی بدگمان ہونے سے اپنے آپ کو بچاتا ہوں‘‘۔

بدگمان ہونے سے خود کو بچانا اس لیے ضروری ہے کہ بدگمانی سے شیطان کو دل پہ قبضہ جمانے کا موقع ملتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر ہم دیکھتے ہیں تو ایک چیز بڑی واضح نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ اپنی ذات کو دیکھنا چاہتے ہوں کہ میں کیسی ہوں؟ یا آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا کیسا ہے؟ اگر آپ کسی شخص کو یا خود کو دیکھیں کہ آپ دوسرے سے بدگمان ہیں، اس بدگمانی کا تذکرہ کرنے میں مصروف ہیں تو سمجھ لیجئے کہ دل بیمار ہے۔ دل پر شیطان کا قبضہ ہے اور یہ قبضہ ایسا ہے جس سے دل کو چھڑانا بے حد مشکل ہے۔ اس لیے دل بچانا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ دل کو بدگمانی سے بچانا ہے۔ جو انسان اپنے مسلمان بھائی میں صرف

عیب تلاش کرتا ہے، اس کے اپنے اندر خرابی ہے۔ اپنی خرابیاں وہ دوسرے میں دیکھتا ہے۔ مومن تو مومن کا آئینہ ہے۔ جو انسان دوسروں کے اندر صرف عیب تلاش کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خرابیاں اس کی ذات کے اندر موجود ہیں تو عیب تلاش نہیں کرنے چاہئیں، عیوب کو ignore کرنا چاہیے۔ شیطان اتنا جھانسا دیتا ہے کہ یہ تو اصلاح کے لیے ہے، ہمیں پتہ ہوگا تو اصلاح ہو سکے گی تو:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:56)

''آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس سے آپ محبت رکھتے ہیں''۔

ٹھیک ہے کوئی چیز اگر کھل جاتی ہے، اس کی اصلاح کی کوششیں ہونی چاہئیں لیکن کسی کے عیوب کے پیچھے پڑیں گے تو یاد رکھئے گا اللہ تعالیٰ آپ کے عیوب کے پیچھے پڑ جائے گا۔ اس لیے عیوب جو دوسروں میں پائے جائیں انہیں ignore کرنا چاہیے اور اپنے عیوب کے پیچھے پڑ جانا چاہیے کیونکہ یہ عیب ایسے ہیں جن کا حق پہلا ہے کہ ہم انہیں اپنی ذات سے دور کر دیں: قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ سے یہی بات پتہ چلتی ہے۔ پہلے اپنی ذات کو بچانا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

طالبات کے سوالات اور اُن کے جوابات

طالبہ: جب کسی سے بدگمانی ہو تو کیا تحقیق کر کے clear کرنا چاہیے؟

استاذہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہیں کسی سے بدگمانی ہو جائے تو تحقیق نہ کیا کرو''۔ انسان کہتا ہے کہ میں تحقیق کرلوں لیکن یہ ایک اور نفس کے برے راستے پہ چلنے کا طریقہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اعوذ باللہ پڑھیں، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور اس خیال کو جھٹکنے کی کوشش کریں کیونکہ جتنا جتنا وہ آگے جائے گا اتنا خود کو نقصان ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ کے حوالے سے واضح کیا، وہ کسی فرد نے تحقیق نہیں کی تھی۔ یعنی جس سے بدگمانی ہو سکتی ہے وہ خود سے واضح کر دے تو یہ ریسرچ نہیں ہے، تحقیق نہیں ہے۔ یہ تو ذمہ داری ہے جو پوری کی کہ کہیں کوئی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے۔

کسی کے بارے میں انسان اگر بدگمان ہو جائے تو کیا کرے؟ اپنے آپ کو دلیلیں دیں کہ ایسی بات نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ظاہر ہے آپ نے خود ہی مشقت اپنے ذمہ لی ہے، پہلے بدگمان ہوئے تو اب اپنا علاج بھی خود کریں۔ آپ کا نفس مانے گا نہیں، اندر سے خیال آئے گا کہ میں نے یہ بات خود دیکھی ہے، مجھے پتہ

ہے، I am confirmed، مجھے فلاں source سے پتہ چلا۔ آپ اپنے آپ کو یہی سمجھائیں کہ فلاں بات نہیں ہوگی اور اگر ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ کے حوالے، وہی ان معاملات کو بہتر انداز میں ہینڈل کرسکتا ہے اور ان کا حساب کتاب لے سکتا ہے۔ پھر بھی خیال آئیں تو اپنے آپ کو یہ ضرور کہنا چاہیے کہ اچھا اب سارے انسانوں کا حساب کتاب آپ نے لینا ہے؟ یعنی اب آپ سوچو گے، آپ کو پتہ لگ گیا کہ کسی کے اندر خرابی ہے تو یہ بتاؤ کہ آپ نے کیا کرنا ہے؟ آپ کو کسی نے اس ڈیوٹی پہ لگایا ہوا ہے؟ جب آپ کا کوئی کام ہی نہیں، کوئی مطلب ہی نہیں تو لوگوں کے معاملات کے بارے میں کیوں سوچتے ہو؟ کیوں غور وفکر کرتے ہو؟ اور اگر آپ اصلاح نہیں کرسکتے، آپ کی یہ پوزیشن نہیں ہے، نہ آپ کسی سے حساب کتاب لے سکتے ہو تو اپنے آپ کو کیوں دُکھی کرتے ہو؟ اپنے لیے کیوں حساب کتاب کرتے ہو؟ اس کے لے اپنا treatment کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ بدگمانی کو دُور کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن چونکہ آپ نے ایک جرم کیا، بدگمان ہونے کا لہٰذا علاج کریں، بار بار اپنے آپ کو یہ Massage دیں اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کریں، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، وہ مدد فرمائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سوال: کسی سے بدگمانی ہو جائے تو کیا اس سے شیئر کرلیں؟

استاذہ: بدگمانی آپ کا مرض ہے، اس چھوت چھات میں پوری سوسائٹی کو مبتلا نہ کریں۔ اس کے اثرات برے ہوں گے۔ آپ زیادہ سے زیادہ جو کام کرسکتے ہیں وہ یہ کہ جس کے بارے میں بدگمان ہوئے ہیں اُس کے حق میں دعا کریں، اُس کی خیر خواہی کے لیے دُعا کریں اور اگر نفس آپ کو پھر بھی نہیں ٹھہرنے دیتا تو آپ اس کو کوئی تحفہ دے دیں، یعنی اپنا ہی علاج کریں، اس کو پھیلائیں نہیں۔ گندگی جس جگہ پڑی ہوتی

ہے،اسلام کا اُصول یہ ہے کہ اس کو پھیلانا نہیں چاہیے،اس کو وہیں ڈھانپ دینا چاہیے،وہیں پہ اس کا treatment ہونا چاہیے۔اسے پھیلانا بری بات ہے۔

طالبہ: میں نے مذہبی عصبیت کے حوالے سے پوچھنا تھا کہ ہم نے دیکھا تھا کہ جو اپنی بات کی بجائے قرآن وسنت کی بات کرے،وہ مذہبی عصبیت نہیں برتتا لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنی بات قرآنِ حکیم سے relate کرتے ہیں،اسے قرآن سے ثابت کر لیتے ہیں حالانکہ بات ان کی اپنی ہوتی ہے اور بعض اوقات تو اتنا ابہام پیدا ہو جاتا ہے کہ انسان صحیح اور غلط میں پہچان نہیں کر پاتا۔

استاذہ: علم کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔جب پڑھ لیں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ پھر ابہام نہیں رہ جاتے۔

طالبہ: میں سوسائٹی کے حوالے سے کہہ رہی ہوں۔

استاذہ: سوسائٹی کا بھی علاج علم ہی ہے،اس لیے سوسائٹی کو بھی علم ہی کی دعوت دیں۔باقی یہ کہ آپ انہیں کسی طرح سے بچا نہیں سکتے۔علم ہی بچاؤ کا واحد راستہ ہے انشاءاللہ علم سے بچیں گے۔آپ کہیں گے کہ علم کا target تو بہت بڑا ہے تو علم کے بغیر گمراہ ہونے کا ٹارگٹ کون سا چھوٹا ہے؟ یعنی اس کے لیے پھر ساری زندگی جہالت میں گزرے گی اور اسی طرح لوگوں کی باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا کون سا فائدہ ہے؟ جہالت کا تو کبھی کسی کو فائدہ نہیں ہوا تو چلیں target بڑا سہی لیکن سال ڈیڑھ سال یا کچھ عرصے میں اتنی پختگی تو آ جائے گی کہ لوگوں سے پھر کم از کم گمراہ نہیں ہوں گے۔

طالبہ: میری ایک آنٹی ہیں انہوں نے ماشاءاللہ قرآنِ حکیم پڑھا،پھر پڑھایا بھی لیکن اس

کے بعد پھر ان کی ایک ایسے عالم سے ملاقات ہوگئی اور ان کے نظریات بالکل ہی بدل گئے اور انہوں نے اس طرح دلائل دیے اور قرآن سے ثابت کیا کہ میں پہلے بھٹک گئی تھی اور بہت مشکل سے میں سیدھے ٹریک پہ آئی۔

استاذہ: اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی بھی ضرورت ہے، ایسے لوگوں کی مجلس سے بچنے کی ضرورت ہے اور علم میں پختگی پیدا کرنے کی۔ جہاں انسان کا علم پختہ نہیں ہوتا اور شیطان کے حملوں سے انسان واقف نہیں ہوتا تو وہ پھسل سکتا ہے۔ شیطان کا جو طریقۂ واردات ہے اس کو سیکھنے کی ضرورت بھی اسی لیے ہے کہ ہم اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں آ سکیں۔ ہم جو کچھ آج کل اسٹڈی کر رہے ہیں یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ہم اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں۔

طالبہ: مجھے لگتا ہے کہ میرے سارے چودہ گیٹ کھلے ہیں اور اتنی بری طرح سے کھلے ہیں کہ ممکن ہی نہیں لگتا کہ یہ بند ہوں گے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک گیٹ بند کیا جائے پھر دوسرا پھر تیسرا۔ میری تو اتنی age نہیں ہے جتنا زیادہ یہ چیزیں میرے اندر آ گئی ہیں، کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ برائیاں ہوں گی اور بہت زیادہ بری طرح۔

استاذہ: یہ کام تو ساری زندگی میں ہوگا۔ آپ ایک گیٹ بند کریں گے، دوسرے کی طرف توجہ کریں گے اور اتنے میں پہلے گیٹ کے مسائل شروع ہو جائیں گے۔ پھر تیسرے کی طرف توجہ کریں گے تو دوسرے کے مسائل شروع ہو جائیں گے تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ نے تسلیم کر لیا یہ خوش آئند ہے کہ یہ ساری غلطیاں میرے اندر موجود ہیں، الحمدللہ کہ آپ نے اس کو feel کر لیا۔ آپ نے کہا کہ میری اتنی عمر نہیں ہے جتنا میرے اندر یہ برائیاں دَر آئیں لیکن اگر آپ کی عمر چودہ برس ہے یا اٹھارہ یا بیس برس تو آپ کے اندر کی خرابیوں کی یہ عمر ہے، پختگی اتنی ہے تو بہت عمر لگ گئی

اس لحاظ سے پختہ ہوتے ہوتے۔ ویسے تو انسان کو یوں لگتا ہے کہ ابھی میری عمر اتنی نہیں ہے لیکن برائیوں کے اعتبار سے یہ بہت بڑی عمر ہے کیونکہ ان کو اب break کرنا، ان کو کنٹرول کرنا، ان کے لیے دُعائیں کرنا، ان پر محنت کرنا اور ریاضت کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جتنی جتنی عمر ہو جاتی ہے اتنا اتنا انسان کے لیے مشکل ہوتا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے اگر آپ سوچیں گے تو آپ کے لیے زیادہ مفید راستے کھلیں گے۔ ایک چیز جو آپ کی مدد کرے گی وہ ہے اللہ تعالیٰ سے اُمید۔ یہ اُمید کا رشتہ قائم کر لیں کہ شیطان کے مقابلے میں رحمان بہت بڑی قوت ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور وہ مدد کرنے پہ قدرت رکھتا ہے، اس کے راستے میں کوئی حائل نہیں ہے، وہ میری مدد ضرور کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ مسلسل مدد مانگتے رہیئے اور مسلسل Effort کرتے رہیں اور اپنے نفس کو edge نہ دیں کہ چلو کوئی بات نہیں، یہ نفس کے لیے یوں سمجھ لیں کہ زہر ہے جب آپ اپنے آپ کو مطمئن کرتے ہیں، اپنے آپ سے کوئی نہ کوئی عذر کرتے ہیں۔ یہی سب سے بڑی خرابی ہے۔

طالبہ: اگر بھائی کو نماز پڑھنے کے لیے کہیں تو وہ کہتا ہے کہ تم پڑھتی ہو تو زیادہ سر پر نہ چڑھو، اس پر غصہ آتا ہے اور بحث بھی ہوتی ہے۔ اس کے لیے کیا کریں؟ کیا بحث اور غصہ دونوں کرنی چاہئیں؟

استاذہ: دونوں چیزیں غیر مفید ہیں۔ یہ نماز قائم کروانے کے لیے، نماز کی دعوت دینے کے لیے درست طریقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ

”رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے

ساتھ''۔

نسخہ ایک ہی ہے حکمت۔حکمت کے ساتھ deal کریں۔ایسے طریقے اختیار کریں جن کی وجہ سے دوسرے کے لیے ممکن ہو جائے کہ وہ نماز پڑھے۔آپ کا کیا رول ہے ان کی لائف میں؟ آخر وہ آپ کی خاطر بغیر سوچے سمجھے اتنی بڑی قربانی کیسے دے لیں کہ دن میں پانچ مرتبہ وقت نکالیں اور پانچ مرتبہ وہ ایک ایسا کام کریں جس میں انہیں کوئی Satisfaction فیل نہیں ہوتی؟ کیسے یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی بڑی قربانی دے لیں؟ آپ کا رشتہ ان کے ساتھ اتنا گہرا نہیں ہے۔ربّ کا رشتہ جوڑیں گے تو انشاءاللہ تعالیٰ فرق پڑے گا۔

طالبہ:ابھی آپ نے کہا تھا کہ اپنے اندر جھانکنا چاہیے تو رات کو میں نے اپنے اندر جھانکنے کی کوشش کی تو مجھے یہ بہت مشکل لگا اور اس کو تسلیم کرنا اس سے بھی زیادہ مشکل لگا۔ میں اپنے تزکیے کے لیے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس برائی سے پاک کر دے، میں اپنی بھلائی کے لیے تسلیم کر رہی ہوں کہ میں نے اپنی پچھلی زندگی میں دیکھا کہ میں بہت جلدی بدگمان ہو جاتی تھی اور پھر اس حد تک نہیں کہ شیطان مجھے سکھاتا تھا اور سجھاتا تھا بلکہ میں اس کے بعد جن سے برا خیال کرتی تھی، ان کی عزت سے بھی کھیلتی تھی کہ ادھر ادھر بتا دیتی تھی کہ یہ فرد ایسا ہے، اس نے ضرور یہ کام کیا ہو گا۔اس سے مجھے لطف محسوس ہوتا تھا اور میں نے رات کو بہت دیر لگا کے سوچا کہ کتنا بڑا گناہ مجھ سے ہو گیا اور مجھے معلوم بھی نہیں ہوا اور ایسا مسلسل ہوتا رہا۔الحمدللہ اس لیکچر میں مجھے معلوم ہوا کہ جس کو میں چھوٹا گناہ سمجھتی رہی، یہ ایک بہت بڑا گناہ تھا جس کے بارے میں سورۃ الحجرات کی ایک آیت بھی آئی تو اب جب میری زبان یہ بات ادا کرتی ہے، میرے کان یہ بات سنتے ہیں تو اس کے بعد میں اس بات کی پابند ہوں

کہ اپنے آپ کو اس بات سے چھٹکارا دلا لوں۔

استاذہ: اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی کے راستے پہ چلا دے اور یہ خوش آئند ہے کہ ایک انسان کو مشکل لگا۔ یہ ایک حقیقت ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنی برائی کو تسلیم کرنا مشکل ہے لیکن اگر آپ نے تسلیم کر لیا، اس پر ربّ کا شکر ادا کریں کہ اس کی توفیق سے ممکن ہوا اور ربّ سے مدد مانگیں نفس کو فتح کرنے کے لیے، انشاء اللہ اُس کی مدد ضرور آئے گی۔

طالبہ: ایک گیٹ جو آپ نے اُمید کا بتایا تھا کہ لوگوں سے اچھی اُمیدیں نہیں رکھنی چاہئیں تو اس حوالے سے میں نے پوچھنا تھا کہ یہ بات بھی تو خوش آئند ہے کہ اُمید رکھیں گے لوگوں سے تو ہمارے ذہن میں positive, optimistic خیالات آئیں گے کہ ہم ان کے بارے میں اچھا رویہ اپنا سکتے ہیں؟

استاذہ: ایک انسان دوسروں سے help تو لیتا ہی ہے اور توقع وابستہ کیے بغیر جب وہ کسی سے demand کرتا ہے اور وہ توقع نہ ہونے کے باوجود آپ کی help کرتا ہے تو آپ کا دل خوش ہو جاتا ہے کہ مجھے اُمید نہیں تھی لیکن اس نے میری اُمیدوں سے بڑھ کر میرا ساتھ دیا تو آپ خوش ہوتے ہیں، thankful ہوتے ہیں اور آپ کے دل میں اس طرح زیادہ اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

مجھے ایسا feel ہوتا ہے کہ اُمید اور توقع، یہ دو چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر توقعات باندھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی دوسرے فرد پہ trust کرنے لگیں، توکل یا بھروسہ کرنے لگ جائیں کہ وہ ضرور میرے لیے یہ سب کچھ کر دے گا، اس سے مجھے توقع ہے کہ وہ ضرور یہ کام کر دے گا۔ ایسی توقعات جب وابستہ ہوتی ہیں اپنے ذاتی مفادات کو پورا کرنے کے لیے تو انسان نقصان اٹھاتا

ہے لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنے بچے سے یہ اُمید باندھتا ہے کہ یہ بتدریج نماز ضرور پڑھنے لگ جائے گا یا مجھے اپنے بچے سے یہ اُمید ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا یا مجھے اپنے بچے سے یہ اُمید ہے کہ وہ اللہ کے دین کی خدمت ضرور کرے گا۔ اگر اُمید نہ باندھی جائے تو انسان اس کے لیے وہ effort نہیں کرتا، اس اُمید کے ساتھ انسان effort کرتا ہے اور اس اُمید کے ساتھ وہ نتائج کا انتظار کرتا ہے اور جب ایسا نتیجہ آئے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اگر نہ آئے تو پریشان بھی ہوتا ہے۔ ایسی اُمیدیں باندھنے کا بھی ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ فائدہ نہیں ہوتا جب انسان totally opposite behaviour دیکھتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے انسان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ یعنی جب تو اُمید پوری ہوتی ہے تب تو بہت خوشی ہوتی ہے لیکن جب اُمید پوری نہیں ہوتی پھر انسان ٹوٹتا بہت ہے۔ اس کے لیے انسان کیا کرے؟ اس کے لیے وہ انسان سے توقع رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے توقع رکھے کہ اللہ تعالیٰ توفیق ضرور دیں گے کہ میرا بچہ نماز پڑھنے لگ جائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ توقع ہے کہ میرا بچہ اللہ کے دین کی خدمت کے لیے ضرور مصروفِ عمل ہو جائے گا۔ توقع صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے باندھیں، باقی یہ کہ جو plan بنائیں، اس کا رشتہ اگر انسان کے ساتھ باندھیں گے کہ یہ فرد یہ کام کر لے گا تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔ آپ نے جو اُمید انسان سے باندھی ہے، جو کام کسی انسان سے آپ نے کروانے ہیں یا جس کی انسان سے توقع ہے، آپ تھوڑا لیول ہائی کر لیں، اس کی توقع ربّ سے باندھ لیں۔ اس کے لیے جو رشتہ آپ کے درمیان ہے اگر وہ کام ہو جاتا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور یہ کہ اس کے لیے دوسرے انسان کا بھی شکریہ ادا کریں گے اور اگر وہ نہیں ہوتا تو گلہ نہیں کریں گے

یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ انسانوں سے اُمیدیں باندھ کر انسان دُکھ اُٹھاتا ہے تو انسانوں کے لیے بھی اُمیدیں ربّ سے ہی باندھنی چاہئیں، دُعائیں بھی ربّ سے مانگنی چاہئیں۔ ہمارا اصل رشتہ ہماری اولاد سے نہیں ہے۔ اصل رشتہ ہمارا ہمارے ربّ سے ہے، اولاد سے ہمارا رشتہ ربّ نے جوڑا ہے اس لیے اولاد کے بارے میں ہم اس سے دُعا کریں گے۔ وہ ہے جس کا رشتہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، ازل سے یہ رشتہ ہے اور ابد تک رہے گا۔ جب تک ہیں تب تک یہ رشتہ ہے، جب نہیں ہوں گے تب بھی یہ رشتہ رہے گا، جب دوبارہ پیدا ہوں گے اور جب ہمیشہ رہیں گے تب بھی یہی رشتہ باقی رہنے والا ہے، باقی رشتے ٹوٹ جانے والے ہیں اور باقی رشتے اگر جنت جانے کے بعد برقرار رہیں گے بھی تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے۔ اصل ذات وہی ہے۔

لا الٰہ کا یہی مفہوم ہے، کوئی اور الٰہ نہیں ہے، کوئی اور ایسا نہیں ہے جس سے توقع باندھ کر انسان ہمیشہ مطمئن ہو جائے، جس سے اُمید باندھ کر انسان ہمیشہ Satisfied ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے اُمید باندھنی ہے۔